

چناروں کی آگ

سیدہ آمنہ بہار رونا

چناروں کی آگ

سیّدہ آمنہ بہار رونا

نام کتاب ——— چناروں کی آگ

شاعرہ ——— سیدہ آمنہ بہار رونا

تعداد اشاعت ——— ایک ہزار

پبلشر ——— میر نور الدین اختر

پرنٹرز ——— ایس. ٹی پرنٹرز. گوالمنڈی راولپنڈی

محکمہ تعلیم کی منظور شدہ/سیکنڈری تعلیم
نمبر ۲۶-۹۳۳ مورخہ ۲۰-۰۹-۸۸
قیمت /50

انتساب

جموّں و کشمیر کے شہیدوں کے نام

تاروپود

اپنی بات

سوچتی ہوں کہ میرے لفظ پڑھنے والوں کا مجھ سے صدیوں اور قرنوں سے واسطہ ہے اس لئے کہ سچے افکار و احساسات حرف کے پیرہن میں زمان و مکان کی حد بندیوں سے ماورا ہو جاتے ہیں صداقتیں انہیں آفاقیت عطا کرتی ہیں لیکن صداقت کی یکسانیت کے باوجود ہر دور میں لہجے کی انفرادیت اور نئی بات کہنے کے امکانات نظر انداز نہیں کئے جا سکتے لیکن اس کے باوجود مجھے نئی بات کہنے کا دعویٰ نہیں، جو احساسات، سیفو۔ پروین شاکر۔ حبہ خاتون کے ہو سکتے ہیں وہ میرے بھی ہو سکتے ہیں اس لئے کہ میں بنیادی طور پر عورت ہوں اور عورت کے دُکھ کا بخوبی ادراک کر سکتی ہوں دوسری طرف میں ایک فنکار بھی ہوں (عورت مرد کی تفریق کے بغیر) جو احساسات و جذبات اپنے استحصال پر کسی بھی فنکار کے ہو سکتے ہیں وہ میرے بھی ہو سکتے ہیں سقراط، منصور۔ مولاتس تک ہر صلیب اور ہر زہر کا پیالہ میں نظر انداز کئے بغیر زندگی گزارنے کے باوجود نہیں گزار سکتی اگرچہ گزر جائے گی لیکن محض جسمانی نشو و نما اور سانس لینے کا عمل تو زندگی نہیں کہلا سکتا

جب کسی خوشی کی تقریب میں زیور مجھے زنجیروں کا احساس دلاتے ہیں اور غازہ مجھے لہو بھرے تصورات کی دنیا میں لے جاتا ہے تو عدم اطمینان۔ بے سکونی کی کیفیت میری ساتھی بن کر رہ جاتی ہے۔

عجیب بات کہ میں آرٹسٹک مائنڈڈ ہوں فطری لحاظ سے بھی ان چیزوں سے الگ نہیں رہ سکتی اور فنکار ہوں: زیور، کشمیر، فلسطین، افغانستان کے ارد گرد جکڑی ہوئی زنجیروں کی طرح لگتے ہیں اور تمام تر تزئین ایک سطحی اور عامیانہ سی حرکت لگتی ہے لیکن دونوں مجبوریاں باہم ہو کر — توڑ پھوڑ۔ جاں ریزگی۔ کے عمل کو تیز تر کر کے جو کچھ کہلاتی ہیں وہ "چناروں کی آگ" کی صورت میرے پڑھنے والوں کے سامنے اور بجنل حالت میں موجود ہے۔

یہ آگ چنگاریوں کی صورت میری انگلیوں کی پوروں میں سمٹ آئی ہے اس آگ کا خمیر خونِ شہداں سے اٹھا ہے یہ آگ ہر کشمیری کے ریشے ریشے میں رقصاں ہے۔ ڈوگرہ۔ انگریز۔ ہندو۔ اس مثلث کی بھینٹ صدیوں سے کشمیری مسلمان چڑھتے رہے ہیں لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ نمرود اگر آگ کا اہتمام نہ کرتا تو آگ کے ساتھ پھول کا تصور ایک مختلف انداز میں ہمارے سامنے جلوہ گر نہ ہوتا اور جمالِ پیغمبری کا یہ گوشہ آشکار نہ ہوتا۔

اس لئے دوریوں کی خلیجیں۔ حدِ متارکہ کی دودھاری تلوار ہمیں یاسیت کے بجائے رجائیت کی علامت کے طور پر دکھائی دیتی ہے اور اس مقام پر قدموں کی تکان۔ گردِ سفر۔ مسافتوں کے الم، ہمیں کربلا کے دکھوں کا ورثہ اور سچائی کی فتح کی یاد دلاتے ہیں اور ہمیں اور آگے بڑھنے کی تحریک ملتی ہے۔ اور اس فضا کی عکاسی کرنے میں میرا یہ شعر شاید کامیاب ہو سکے۔

ہر شامِ ہجر دل میں اُتری کچھ اس طرح
آنکھوں میں صبحِ دید کے منظر لئے ہوئے

مجھے اعتراف ہے کہ منظوم افکار و احساسات کا یہ مختصر مجموعہ کئی خامیوں کا شکار بھی ہو گا لیکن مجھے یہ اعتماد اور یقین بھی ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں یہ خامیاں نہیں رہیں گی کیونکہ تب تک وادیٔ گل میں سلگنے والی شاعرہ کے نازک محسوسات اور انقلاب آفریں جذبے۔ بے ساختہ آنسوؤں کے بجائے شعور کی بھٹی میں ڈھل کر زعمِ پختگی سے مرتسم ہوں گے۔

بہر حال بے ساختہ جذبوں اور شفاف آنسوؤں کی سلگتی ہوئی "امی کرب کی آگ" کو "چناروں کی آگ" سے ہمکنار کرنے میں اپنے عم محترم میر نور الدین اختر صاحب کی ممنون ہوں جن کی حوصلہ افزائی اور معاونت سے یہ مجموعۂ کلام منظرِ عام پر آیا۔

فقط:

رونا

فلیپ

"چناروں کی آگ" سیدہ آمنہ بہار رونا کا اولین مجموعہ کلام ہے احساس کی نزاکت، شدت اور پائیداری نے شاعرہ کے آہنگ کو وہ سوز بخشا ہے جو اُن کے کلام کو منفرد ہی نہیں قابلِ توجہ بھی بناتا ہے شاعرہ کا شعور شعلوں میں لپٹا ہوا چنار ہے جس سے چنگاریاں صفحہ قرطاس پر جھڑ کر شعر کی صورت اختیار کر گئیں۔ یہ چنگاریاں نہ صرف جلنے کے عمل کی شہادت دیتی ہیں بلکہ آگ لگنے کے اسباب وعوامل پر بھی روشنی ڈالتی ہیں ایک آگ تو بہار کی لگائی ہے کہ بہار وہ موسم ہے جو برگ و شاخ کو بیدار کر کے ان میں آگہی کی ایک آگ سی لگا دیتا ہے ایک آگ حدت احساس کی آگ ہے جس سے کوئی بھی حساس شعور بچ نہیں سکتا رونا کے ہاں اس کی تپش اور بھی شدید محسوس ہوتی ہے ایک آگ بعض اپنوں کی عنایت ہے اور ایک آگ غیروں کی بھڑکائی ہوئی وہ اجتماعی آگ ہے جس میں کشمیر جنت نظیر ایک عرصے سے جھلس رہا ہے۔ حیرت یہ دیکھ کر ہوتی ہے کہ آگ کی یہ تمام اقسام مل کر بھی رونا کو راکھ نہیں کر سکیں، بلکہ ان میں جل کر رونا کی تخلیقی صلاحیت کندن بن کر کچھ اور نکھر آئی ہے۔ اس مختصر سے نقشِ اوّل ہی کو دیکھ کر ہم بجا طور پر رونا کی شاعری سے بہت بلند توقعات وابستہ کر سکتے ہیں اور یقیناً رونا ہمیں مایوس نہیں کریں گی"

پروفیسر محمد منور علی ملک

شعبہ انگریزی گورنمنٹ ڈگری کالج میانوالی

"جہاں تک رونا کی تحریروں کا تعلق ہے تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ رونا کو نہ صرف حساس ترین انسان کہا جا سکتا ہے بلکہ اظہار کے حوالے سے "شدید" بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور جذبے کی شدت ہی رونا کی شاعری کا ایک خوبصورت اثاثہ ہے۔"

اختر امان

اسلام آباد

"رونا پروین شاکر کے بعد ایک اور انتہائی خوبصورت شاعرہ ہیں جن کے ہاں جذبے سچے نکھرے، اور تازہ ہیں۔"

ناصر زیدی

راولپنڈی

حرف کی حرمت میرے نزدیک اتنی محترم ہے کہ میں شعر کو فرد کی پہچان اور عصر کا ترجمان سمجھتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ جھوٹے حرف مجھے کبھی اپنے قریب آنے نہیں دیتے اور سچے حرف کے طلسم سے میں کبھی آزاد نہیں ہوتا رونا کی شاعری کے سنہری اوصاف میں ایک چمکیلا وصف یہ ہے کہ اس نے اپنے مافی الضمیر کے بیان میں کسی شعوری بناوٹ سے کام نہیں لیا حرف کو اس کے اصل گداز، خنکی، حرارت اور معصومیت کے ساتھ ذہن کی شہ نشیں سے کاغذ کی بارہ دری تک نہایت دیانت، خلوص اور انہماک سے پہنچایا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس عہد کی گرد آلود فضاؤں میں سانس لینے والوں کے لئے رونا کے حروف ایسی خوشبو کا جھونکا ہیں جو ذہن و قلب ہی نہیں سلگتی روحوں کو معطر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ کاش رونا کے لفظ اور اس کی سوچیں سدا۔ یونہی سرسبز و شاداب رہیں اور ہم جو زندگی کی سلگتی دھوپ کے مسافر ہیں اس خنک اور عطر بیز فضا میں چند مزید سانسیں لے سکیں۔ جی سکیں۔ آمین۔!

(اعتبار ساجد)

میں اگرچہ شاعر نہیں ہوں، تاہم اچھا شعر پڑھنے یا سننے کو ملے تو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ سیّدہ امنہ بہار رونا کا مجموعۂ کلام "چناروں کی آگ" کا مسودہ تو نہیں دیکھا البتہ ان کی چند نظمیں اور غزلیں نظر سے گزریں۔ خوب تھیں اور بے ساختہ داد دینے کو جی چاہا۔ رونا شاعری کے میدان میں اگرچہ نووارد ہے مگر ان کے اشعار میں بے ساختگی سچے اور سچے جذبوں کا اظہار ہے۔ ان کی شاعری میں چناروں کی آگ کا شعلہ بھی ہے۔ کشتِ زعفران کی زرخیزی بھی، ڈل کا سکوت اور جہلم کی روانی بھی ہے۔ خدا کرے کشمیر کی اس بیٹی پر ہم فخر کریں۔

سید نذیر گیلانی لندن

حمد شریف

سوچ رُت کا یہ سلسلہ تیرا
ذرّے ذرّے سے رابطہ تیرا

دہر کا تو ہے خالق و مالک
خوبصورت ہے ضابطہ تیرا

میری آنکھوں میں ہے چمک تیری
میرے ہونٹوں پہ ذائقہ تیرا

تو سمایا ہے میری دھڑکن میں
اور مسکن ہے ماورا تیرا

جھلملاتے ہیں اشک آنکھوں میں
زخمِ دل سے ہے واسطہ تیرا

روح پر چھا نہ جائے تاریکی
ہر ستارا ہے آشنا تیرا

دستِ امید میں نے پھیلایا
بے بسی میں ہے آسرا تیرا

نعت

بحضور سرورِ کائنات ﷺ

دل و نگاہ میں تیری ہی رہگزر دیکھوں
ہر ایک سمت میں تجھ کو ہی رہبر دیکھوں

ہزار بار ہو تجھ پر درود اور سلام
شبِ سیاہ میں تجھ کو ہی چارہ گر دیکھوں

میں زخم خوردہ ہوں دنیا کی بے ثباتی کی
حیاتِ پاک کو تیری ہی معتبر دیکھوں

غروبِ درد و الم ہو اے شافعِ محشر
طلوعِ کلمۂ طیب کی وہ سحر دیکھوں

پھر اس کے بعد نہ شاید نگاہ لوٹ آئے
جو سبز روضے کی جالی کو اِک نظر دیکھوں



جلتا ہوا پُل (۱)

وہ اس کنارے میں اُس کنارے
شکستہ دل ہیں سبھی نظارے
یہ فاصلے جو کہ درمیاں ہیں
نہ میں مٹاؤں نہ وہ مٹائے
وہ میری خاطر تڑپ رہا ہے
میں اُس کی خاطر پگھل رہی ہوں
کہ زہرِ غم کا نِگل رہی ہوں
رواں دواں ہیں لہو کے دھارے
اُسے یہ خواہش میں جلتے پل سے
گزر کے آؤں
مجھے یہ غم ہے کہ پُل کی ہڈیاں چٹخ رہی ہیں
جو خود سلگتا ہو غم کے مارے
کہ بوجھ میرا وہ کیا سہارے
انا کے قاتل دکھوں کا تیشہ
ہمارے سینوں میں گڑ گیا ہے
کٹھن بہت ہی یہ راستہ ہے
فشارِ ذاتوں کا بڑھ رہا ہے

کہ دم ہی تھا جو کہ گھٹ رہا ہے
کوئی صدا دے، کوئی پکارے
نہ ڈوب جائیں مرے ستارے
وہ اُس کنارے یں اس کنارے

جلتا ہوا پُل : (۲)

سنگِ دشنام سے بھر چھلنی ہوا کلیۂ جاں
خلقتِ شہر نے دی مجھ کو سزا کتنی بڑی
چاند کے داغ جلے میرے دریچوں کے پرے
دور کوہ قاف سی وادی میں مرے زخم کھلے
گھنٹیاں بجتی رہیں دل کے کلیساؤں کی
اور وہ وقتِ عبادت بھی رہا نہ باقی
اپنے آلام میں جکڑی ہوئی روحوں کی زمیں
مجھ پہ جب تنگ ہوئی ظلم کی حد تک آخر
کوئی مانوس سا چہرہ تھا نہ شبنم لہجہ
جس جگہ ہار گلابوں کے ملے تھے مجھ کو
شہر گل پاش میں تھی سنگ زنی میرے لئے
میری تعزیر کے احکام تھے ہر شخص کے پاس
میں جلاوطنی کے شعلوں میں سلگتی ہی رہی
میرے پاؤں کی تمنا میں کئی پل بھی جلے

تپشِ درد کسی پل کو نہ چھو کر گزری
ایک پُل ایسا رہا جس کے لئے میں بھی جلی

میں نے سمجھا تھا بہت اپنا سہارا جس کو
آگ [redacted] دریا میں مجھے اس نے دھکیلا آخر

سنگِ دشنام سے پھر چھلنی ہوا کلبۂ جاں
خلقتِ شہر نے دی مجھ کو سزا کتنی بڑی

اس سے بڑھ کے تو رہی ہجر کی مدت بھی کڑی
روح اُڑتی ہی رہی خواب جزیروں کے پرے

دور ویرانے میں پھر جسم کا پُل جلتا رہا

مَیں سوچتی ہی رہ گئی

وہ شخص کس کی ذات سے
تا دیر وابستہ رہا ——
تھیں جس کی باتیں پھول سی
پر ذات تھی بھنورہ مَن
میں سوچتی ہی رہ گئی

احساس کے جنگل ہرے
جذبات کے گلشن کِھلے
کیوں یاد پھر آنے لگا
جس شخص نے غم ہی دیئے
میں سوچتی ہی رہ گئی

کِس دیس سے آیا تھا وہ
کِس دیس میں وہ کھو گیا
کِس کا اسے ہونا تھا اور
کِس کا مقدر ہو گیا
میں سوچتی ہی رہ گئی

جب چاند نکلا ابر سے
تھی میں دریچے میں کھڑی
اِک درد سینے میں اُٹھا
اِک چوٹ سی دِل پر لگی
میں سوچتی ہی رہ گئی

وہ دور شہنائی بجی ——
دل سے دھواں اُٹھنے لگا
آبادیوں سے دور اِک
تنہا مکاں جلنے لگا
میں سوچتی ہی رہ گئی

ساون کا موسم آگیا ——
پھر درد دل کی چھائی گھٹا ——
سوچیں مِری بڑھنے لگیں
جلنے لگی موجِ ہوا
میں سوچتی ہی رہ گئی

تاروں کو بھی نیند آ گئی
بادل رو پہلے ہو گئے
وہ دید کے منظر کہاں
جو نیند اپنی کھو گئے
میں سوچتی ہی رہ گئی

پھر غم کی بانسریاں بجیں
پاؤں میں زنجیریں پڑیں
ہے رقص میرا دار پر
مقتل کی دیواریں سجیں
میں سوچتی ہی رہ گئی

وہ کیوں مِرا نہ ہو سکا
مجھ میں کمی کِس شے کی تھی
بے سمت وہ کیوں ہو گیا
منزل تو صحرائی نہ تھی
میں سوچتی ہی رہ گئی

پھر خط پرانے کھول کر
جانے میں کیوں پڑھنے لگی
چنگاریاں سلگیں نہ پھر
کیوں راکھ سی اُڑنے لگی
میں سوچتی ہی رہ گئی

یادوں کی باراتیں چلیں —
پھر دیپ سے جلنے لگے
کہنہ الم تازہ ہوئے
آنسو مِرے بہنے لگے
میں سوچتی ہی رہ گئی

دھندلا گئی کیوں رہگزر
کیوں چشم نم ہونے لگی
پھر صبحِ نو کے ساتھ ہی
کیوں شام سی ہونے لگی
میں سوچتی ہی رہ گئی

جلتی ہوئی دوپہر میں
درپیش تھا لمبا سفر
میں پاؤں ننگے چل پڑی !
کانٹوں بھری تھی رہگزر
میں سوچتی ہی رہ گئی

خوشیوں کے پنچھی اُڑ گئے
ویراں ہوا ہے شہرِ جاں
وہ لوٹ کر آیا نہیں —
میں کیوں ہوئی اتنی خوش گماں
میں سوچتی ہی رہ گئی

شاید اسے اچھی لگیں
روتی ہوئی آنکھیں مری
وہ درد مجھ کو دے گیا
دی تھی کبھی جس نے خوشی
میں سوچتی ہی رہ گئی

وہ گاؤں کے اُس موڑ پر
پھر ایک پنہاری چلی
اک سوز آگیں لوک دھن
ہے زیرِ لب گاتی ہوئی
میں سوچتی ہی رہ گئی

پھر بادِ غم چلنے لگی
سونا ہوا پھر دل مِرا
جیسے پرندہ اُڑ گیا
اور گھونسلا خالی رہا
میں سوچتی ہی رہ گئی

کس نے لکھا تھا خط میں یہ
تم جان ہو رونا مِری
تم چاند ہو آکاش کا
تم سے ہے دل میں روشنی
میں سوچتی ہی رہ گئی

اپنا تھا جو اب غیر ہے
اک بار اس کو دیکھ لوں
مر جاؤں گی پھر چین سے
مل جائے گا مجھ کو سکوں
میں سوچتی ہی رہ گئی

کچا گھڑا تھامے ہوئے
میں ڈوبنے کو چل پڑی
اللہ اب تو لاج رکھ
ہے سامنے اُس کی گلی
میں سوچتی ہی رہ گئی

○

کون کہتا ہے ہم میں دوری ہے
سلسلے دو ریلوں کے جھوٹے ہیں!
چاند کو دیکھ کر ہمیں کہہ دو
خواب کس کے کہاں پہ ٹوٹے ہیں

جدائیوں کا سنگِ میل

گلاب رُت کی چلمنیں
پڑی رہیں خزاؤں پہ
وہ صبح نو کے قافلے
غنیم سے ملے رہے
ہمیں ہواؤں کی طرح
سفر نصیب لوگ تھے
رُکے بغیر چل پڑے
کوئی نہ جان ہی سکا
جو میرا کربِ ذات تھا
میں جل گئی ہوں ذات میں
نہ آسکا وہ خواب میں
رہی میں اضطراب میں
کہاں سکون دے سکی
بلندیوں کی دوستی
نہ جانے پھر وہ مل سکے
اسے میں دیکھتی رہی
اور اس کے بعد غمزدہ
عروسِ غم کی قبر پر
جدائیوں کا سنگِ میل
چومتی چلی گئی

مجھے تو کوئی بھی غم نہیں ہے

غموں کی شدت نے مار ڈالا
دکھوں کے تیشے بدن میں اترے
لہو میں زہراب بن کے پھیلے
سزا ملی تھی مجھے انوکھی
جو بدتر از تھی ہر اک سزا سے
مگر وہ جھیلی تو اس کو لکھا
مجھے تو کوئی الم نہیں ہے
وفور غم سے قلم بھی چٹخا
مرا بدن بھر ہوا میں بکھرا
مگر میں آخر سنبھل گئی پھر
ڈبو کے اپنے لہو میں انگلی
اسے یہ لکھا
میں خوش ہوں اب ان غموں کو پا کر
یہ غم جو تم نے دیئے ہیں مجھ کو
عزیز تر ہے ہر ایک لمحہ
مجھے تو کوئی بھی غم نہیں ہے

اُس رات کے نام

وہ رات جو میری رات نہیں
ان سرخ گلابوں کے تحفے
جو میرے خون سے مہکیں گے
اور چاند کے سہرے میں کھِل کر
کرنوں کی سیج سجائیں گے
جب تنہا خواب دریچے پر
نیندوں سے مجھ کو جگائیں گے
تب اپنے سلگتے خوابوں کو
تعبیر کی حسرت دے دوں گی
اُجڑی ہوئی دل کی بستی میں
پھر اپنے شکستہ مدفن پر
تعمیر کا نوحہ لکھ دوں گی
آنکھوں کی سُرخی، دل کی دُکھن
اور بے ترتیب سی زلفوں کو
اس رات کے نام میں کر دوں گی
وہ رات جو میری رات نہیں

لینڈ سلائیڈ

ٹھیک ہے دل کے سارے رستے
چاند کی صورت تابندہ ہیں
لیکن پھر بھی خوف آتا ہے
سیدھی سڑک پہ چلتے چلتے
مبہم جذبوں کی ہر گاڑی
ہر اِک بتی دھندلی دھندلی
لفظوں کی بے نام قطاریں
جانے کب سے سوچ رہی ہوں
سیدھی سڑک تو ٹھیک ہے لیکن
تھک نہیں سکتے پاؤں وہاں تک
گاڑی بھی واں جا سکتی ہے
لیکن اس کے آگے کیا ہو؟
لفظوں کو کیا نام میں دوں گی
مبہم جذبوں کی ہر گاڑی
چھوڑ کے مجھ کو واپس ہوگی
کیوں کہ شہر پناہ کے آگے
لینڈ سلائیڈ کا خطرہ ہے

تمام رات میں اُسے کچھ ایسے سوچتی رہی
کہ اپنے آنسوؤں کی بارشوں میں بھیگتی رہی

وہ ایک شخص عارضی مسرتوں میں گم ہوا
ردائے غم کو اوڑھ کر اُسے میں ڈھونڈتی رہی

میں ضبطِ غم کے مرحلے میں کامیاب ہو گئی
پلک پلک پہ آنسوؤں کی دیر تک نمی رہی

عجیب زخم دل مرے گلاب کی طرح کھلے
مگر ہوائے درد و غم انہیں بھی نوچتی رہی

اُسی کی یاد دھوپ میں تھی سائباں مرے لئے
اُسی کی یاد میرے فکر و فن کی روشنی رہی

وہ میرا کربِ ذات تھا جو جسم و جاں کو کھا گیا
میں سبز شاخ کی طرح خزاں میں ٹوٹتی رہی

ہوائے درد جب چلی، ہنسی کے پھول گر گئے
یہ آنسوؤں کی بیل تو خزاں میں بھی ہری رہی

یہ تیرگی کی بدلیاں یہ بیسویں صدی کے دُکھ
سکوتِ شامِ غم میں کربلا سے دوستی — رہی

عجیب سخت جاں تھی میں کہ روح تک چٹخ گئی
مثالِ کہسار اپنی بات پر ڈٹی —— رہی

غموں کی سیج پہ مری وہ رات بھی گزر گئی
کہ جس کی سوچ میں ہر ایک رات جاگتی رہی

شکستِ دل کا سانحہ عجیب تھا مرے لئے
کہ میری ذات آرزو کے نام پر بجی رہی

مثالِ بادِ صبحِ نو جو آ کے پھر چلا گیا
کہ جاتے جاتے دیر تک اُسے میں دیکھتی رہی

○

بعدِ انتظار

اس قدر اژدھام لوگوں کا نشیبِ کہسار
بام و در پہ پاؤں دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی
منتظر تھے گھاٹیوں سے چاندنی ہو ضو فشاں
جان لیوا تیرگی ایسی کہ چھٹتی بھی نہ تھی
زرد چہروں کی اداسی اور بھی گہری ہوئی
سوچ کر کچھ ایک لڑکی نے جو انگلی کاٹ دی
اس کا یہ ایثار دیکھا سب نے اپنا خوں دیا
ایک انگلی اور پھر سب کا لہو مشعل بنا
اوّل اوّل روشنی سیلاب کی صورت بہی
آخرِ شب زرد ہو کر تھرتھراتی رہ گئی
سارے سائے بر سرِ دیوار لرزاں ہی رہے
پھر فرازِ کوہ سے جب چاندنی جھانکا کیے
سب کی نظریں آسمانوں میں گڑی ہی رہ گئیں
نیم مردہ سی صدائیں یک بیک سب نے کہا
دو چاند نکلا ہے مگر اب کے بھی گہنایا ہوا
اور سیہ تر بادلوں کی تہہ میں کفنایا ہوا
کھینچتا ہے پھر ہمارے قلب و جاں کو انتظار

"سٹار وار"

سانس لینے کی اب بھی فرصت کہاں باقی رہی
اب زمانہ برق رفتاری کی اُس منزل پہ ہے
خوشبوئیں بارود کی بو میں سمٹ کر رہ گئیں
ان دھماکوں کا دھواں اب سرمئی بادل پہ ہے

اب خلا میں رقص میزائل ضروری ہو گیا
اور زمیں کی پستیاں کب جنگ کے قابل رہیں
اب انا کے زعم میں تہذیب پر اتہام یہ
نیکیاں سچائیاں ہر دور میں گھائل رہیں

ہے امارت چند ہاتھوں چند ملکوں کے لئے
اور سراسر مشغلہ جن کا ہلاکت آفریں
روز افزوں نت نئے خوں ریز ہتھیاروں میں گم
دوڑتے ہیں اب خلاؤں میں زمینوں کے مکین

اس ترقی کے لئے ان کا یہ استدال ہے
کہ بقائے زیست کی خاطر ہی یہ ہتھیار ہیں
آبیاری ہے تنے کی اور جڑوں کو کاٹنا
یہ سُپر پاور بڑے کایاں بڑے مکار ہیں

مر رہے ہیں آج بھی ناقوں سے انساں وہ میں
لٹ چکی جن کی معیشت کٹ گیا تارِ حیات
پر کسے فرصت کہ ایسے مسئلوں کو وقت دے
بھوک، بیماری کا گہوارہ جو ہے یہ کائنات

کتنے ہی بیمار ہیں جو ہو چکے ہیں لا دوا۔
مٹ رہا ہے صفحۂ ہستی سے اب جن کا وجود
اہل درماں کاروباری اور مشینی ہو گئے
ایٹمی دنیا میں ممکن کب مسیحا کا ورود

زیست کے بحرِ سیہ میں موج ہے گرم سفر
کتنی آہوں کا دھواں اور کتنے نالوں کا غبار
کتنی ماؤں، کتنی بہنوں، کتنے بچوّں کا سوال
کب تلک غارت گری اور کب تلک یہ کارزار؟

رقص طاغوتی دکھایا جا رہا ہے ہر طرف
قتل گاہیں سج رہی ہیں ابن آدم کے لئے
بازیاں شطرنج کے مہروں کی الٹی چل پڑیں
اور لہو پسماندگاں کا ہے مراسم کے لئے

سبز دنیا پھر نظر آتی ہے اب شعلہ بجاں
خواب ہو کر رہ گیا ہے دہر میں امن و اماں
آدمی کے خون سے ہیں آدمی کے ہاتھ تر!
رحم کر انسان پر اے خالقِ کون و مکاں

التجا ہے اے خدائے لم یزل تجھ سے یہی۔
بدلیاں غم کی چھٹیں اور دیپ خوشیوں کے جلیں
خیر و شر کی کشمکش میں خیر کا ہو سر بلند
اور بقائے باہمی کے دہر میں پرچم کھلیں

پھر تقاضائے وفامت راکھ بن کر جل بجھے
اب زمانہ ساز سوچیں پھول بن کر کھل اٹھیں
ہے ترقی بھی ضروری زندگی کے ساتھ ساتھ
پر نہ خود غرضی کے ہاتھوں خون کے دریا بہیں

پھر سے اقوام ثمود و عاد کی صورت نہ ہو
ہستیٔ نوعِ بشر کو ایک موقع اور دے
دھول میں پھر پھول کھلنے کا سبب کوئی تو کر
یہ خلائی دوڑ ایٹم کا تنافر تا بہ کے؟

چاند ــــ؟

اک بچّے نے مجھ سے پوچھا
"چاند کی بڑھیا کب سے بیٹھی
بیٹھا چرخا کات رہی ہے"
میں نے کہا اے پیارے بچّے
سُنی سنائی باتیں ہیں یہ
بڑھیا تو واں کوئی نہیں ہے

یہ تو چاند کے وہ حصّے ہیں
جو تیرہ ہی رہتے ہیں
یا پھر ریت اور پتھر ٹیلے
دور سے ایسے لگتے ہیں

بچہ یہ سُن کر بولا تھا
آنکھوں میں کچھ آنسو لا کے
"نہیں نہیں یہ جھوٹ ہے سارا
بڑھیا چرخا کات رہی ہے"

بچہ ضد پہ اَڑا رہا جب
سمجھا اس کا بچپن میں نے
قصّوں کا شیدائی تھا وہ
ایک کہانی چاہتا تھا

مجبوراً پھر بات کو بدلا۔
اور میں نے نیچے سے کہا یہ
ٹھیک ہی کہتے ہو چندا تم
بڑھیا چرخا کات رہی ہے

نرم سفید سے روئی کے گالے
کاسنی، اودے، نیلے، کالے
اڑتے اڑتے بادل سارے
کاٹن، اون، اور ریشم دھاگے
چاند کی بڑھیا دھیرے دھیرے
چرخے پر سب کات رہی ہے

غور سے ساری باتیں سنتا
ہنستا ہوا پیارا سا بچہ
چاند سے اچھا لگتا تھا۔

میرے قدموں سے لپٹ کر منزلوں میں گُم ہوا
اک ادھورا سا سفر تھا راستوں میں گُم ہوا

رفتہ رفتہ غم کے کہساروں میں دل ڈوبا مرا
جیسے اک ننھا ستارہ بادلوں میں گُم ہوا

پھر طلوعِ مہر کے منظر سے دل دُکھنے لگا
اور خوشی کا ایک لمحہ آنسوؤں میں گُم ہوا

ہجر کی شب میرے آنگن میں اترنا تھا جسے
صبحِ صادق کا اجالا، دھندلکوں میں گُم ہوا

اجنبی ماحول کی، بے مہر ٹھنڈک کیا کہوں
اودسیں خوابوں کا لمحہ کن رتوں میں گُم ہوا

اس کو غم کے خشک موسم راس کیا آتے بھلا
وہ تھا اک آبی پرندہ ساحلوں میں گُم ہوا

میں ردائے آرزو کو اوڑھ کر گھر سے چلی
اور مرا رختِ سفر بھی فاصلوں میں گُم ہوا

ایک لمحے کو وہ ٹھٹکا میرے آنسو دیکھ کر
اور جلدی سے سنبھل کر فلسفوں میں گُم ہوا

دیدۂ پُر آب لے کر ڈھونڈتی ہوں اب اُسے
ایک پیارا خط پُرانی فائلوں میں گُم ہوا

پچھلی رُت کی بارشوں سے ڈھ گئی دیوارِ خواب
درد پرانا اک سفر کی خواہشوں میں گُم ہوا

جن پہ سر کٹ کے گرے اُن راستوں کو چوم لوں
میں شہیدوں کے لہو کی عظمتوں کو چوم لوں

جن میں آزادی کی خواہش کب سے ہے گرمِ سفر
برف زاروں کے فروتر سلسلوں کو چوم لوں

رشتۂ تارِ رگِ جاں جسم و جاں سے جوڑ کر
فاصلوں کو ختم کر کے قربتوں کو چوم لوں

ظلمتوں کی جان لیوا سی ہوائے تیز میں
جو ابھی تک جل رہے ہیں ان دیوں کو چوم لوں

جو چناروں کی دہکتی آگ پر برسیں کبھی
اُن فضائے آسماں کے بادلوں کو چوم لوں

اس سے پہلے کٹ کے رہ جائے مری تارِ حیات
موجِ خوں بن کر وفا کے ساحلوں کو چوم لوں

پانچ دریاؤں کی صورت جو ابھی تک ہیں رواں
وادیٔ کشمیر کے اُن آنسوؤں کو چوم لوں

جی میں آتا ہے کہ شوریدہ ہوا بن کر کبھی
وادیٔ گُل کے گھنیرے جنگلوں کو چوم لوں

صبحِ آزادی کے طائر ہو تجھے منزل نصیب
جو گریں پرواز کے دوراں پروں کو چوم لوں

اپنے امام رضؑ کے نام

لبِ فرات چمکتے ہوئے لہو کی قسم
اور اہل بیت کی عظمت کی آبرو کی قسم
کسی بھی موڑ پہ تاریخ کب بھلا پائی
وہ بے گناہ چمکتے لہو کی قربانی!

غنیم! شہرِ جفا میں سدا مقید ہیں
ازل سے راندۂ درگاہ جو کہ ٹھہرے ہیں
شکستہ فکر کو لے کر ذلیل و خوار ہو کر
کہ اپنے نیزوں پہ وہ سر تلاش کرتے ہیں
جو کٹ گیا تھا مگر خم نہ ہو سکا تھا وہ
وہ سر بلند ہوا تھا لہو سے تر ہو کر
غنیم یونہی اسے ڈھونڈتے تھے لاشوں میں
بتا اے کرب کے لمحات بانٹتے موسم
بتا اے کانپتے سورج مجھے یہ سچ سچ تو
مرے امامؑ کے پیاروں کی پیاس کیوں نہ بجھی
بتاؤ تم نے سُنی کیا نہ العطش کی صدا
فرات شرم سے اس وقت کیوں نہ سوکھ گیا
وہ پیاس اتنی ہمہ گیر ہو گئی آخر
بلائیں لیتی رہی جس کی کوثر و تسنیم

وہ پیاس آج بھی حریت کی اک علامت ہے
ہر ایک دور میں چمکی ہے روشنی بن کر
نوید دیتی ہے دنیا کو زندگی بن کر
ہر ایک پیاس کا موسم ہر ایک کرب و بلا
راہِ وفا کی ہر ایک یادگار قربانی
ہمارے خون کی تابندہ تر روایت ہے
ستارہ ساز نگاہوں کی اِک عبادت ہے
مرے امامؑ نظر میں ہے آج تک ٹھہرا
اداس شامِ غریباں کا خونچکاں منظر
میرے لہو میں ہے روشن چراغ کی صورت
کہ آنسوؤں میں رواں ہے فرات کی صورت
دل و نظر میں ہے مہکا گلاب کی صورت
ترے لہو کے ہی صدقے صداقتیں زندہ
ترے ہی نام و نسب سے محبتیں زندہ
کسی بھی موڑ پہ تاریخ کب بھلا پائی
وہ بے گناہ چمکتے لہو کی قربانی
مرے امامؑ مری روح کے دریچوں میں
وہ یادگار سے لمحات کا حزیں سورج
طلوعِ درد کی کرنیں سدا بکھیرے گا
ہے عہد اپنے خدا سے وفا پرستوں کا

ہائیکو

ریشمی خواہشوں کے ہالے میں
چاند کے نرم رو اجالے میں
زخمِ دل محوِ خواب ہوتے ہیں

بار ہا رات کی سیاہی میں
سرد پلکوں پہ جگنوؤں کی طرح
آنسوؤں کو چمکتے دیکھا ہے

اک خواب کھو گیا ہے
جیسے کوئی سفینہ
غرقاب ہو گیا ہے

پھر شام ہو رہی ہے
اور اِک اُداس لڑکی
مشعل لئے کھڑی ہے

تارے چمک رہے ہیں
سینے میں درد و غم کے
شعلے لپک رہے ہیں

چپ چاپ آنسوؤں سے
پھر کوئی جھانکتا ہے
تاروں کی چلمنوں سے

زندگی کیسے موڑ پر آئی
آج موسم اداس ہے کتنا
اور پھر سنگدل سی تنہائی

مجھ کو ہنستے تو سب نے دیکھا ہے
کس نے دیکھے ہیں اس سمے لیکن
میری آنکھوں کے بھیگتے گوشے

زندگی درد کے کواڑوں پہ
دستکیں دے کے ہو گئی واپس
اور میں اس کو سوچتی ہی رہی

اُسی کی یاد میں تو غمزدہ حیات رہ گئی
یہی وہ یادگار ہے جو میرے ہات رہ گئی

بغیر دولہا کے یہ انبوہ کچھ اچھا نہیں
عروسِ غم کی چاہ میں فقط برات رہ گئی

وہ اس کا ایک لفظ جو کہ دل میں چھید کر گیا
وہ کیفیت نہ رہ سکی مگر وہ بات رہ گئی

وہ جاتے جاتے پھر مجھے حسین زخم دے گیا
کہ جیسے تیرہ جنگلوں میں چاندرات رہ گئی

نہ جانے جا چھپا کہاں وہ خواب رت کا شہ نشیں
ہوا کے ہات میں تو ریشمی قنات رہ گئی

اسی کا لمس تھا کہ جو ہر ایک شاخ کھل اٹھا
بس ایک میں تھی جو یہاں اسیرِ ذات رہ گئی

وہ چشمِ نم کی بارشیں خیال و خواب ہو گئیں
کہ میرے چار سو تو آگ ہی کی گھات رہ گئی

ایک پرانی لائبریری میں چند لمحے

گرد آلود کتابیں زرد شیلفوں میں سجیں
کرم خوردہ اور بوسیدہ سی حالت جن کی تھی
ایسا لگتا تھا گھنیرے بادلوں کے درمیاں
ہلکی ہلکی اور مبہم چاندنی چٹکی ہوئی
صاف ظاہر تھی غبارِ وقت کی کاریگری
فلسفے، تاریخ، اور طب کی کتابوں کے سوا
شعر اور نغمات کی بھی مجھ کو کچھ جلدیں ملیں
پھر مرا ذوقِ تجسّس مجھ کو اکسانے لگا
ایک پارۂ ادب سے گرد میں نے جھاڑ لی
پھر بصدِ شوق اس کی ورق گردانی جو کی
حاشیوں پہ زخم آلودہ سے کچھ فقرے ملے
غالباً جس کے لیے لکھے گئے تھے وہ حروف
ایسا لگتا تھا بہت بے رحم تھا سفاک تھا
مادیت کا تھا پجاری، صدقِ دل سے ماورا
حاشیے کے لفظ سب اس بات کے تھے ترجماں

یہ کتاب شعر جس پہ زخم سے فقرے ملے
ایک صدی قبل کی لکھی ہوئی تصنیف تھی
ایک لمحے نے پھلانگا سو برس کا فاصلہ

اور دردِ مشترک سے آشنا پھر دل ہوا
باوجودِ ضبط کے آنسو مرے چھلکا کیے
میری مانند لکھنے والا بھی تھا مجروحِ وفا
جسم اس کا غالباً مدفن میں محوِ خواب تھا
جس کے نغموں کا مرے ہاتھوں میں یہ مضراب تھا
ایک خلش موہوم سی بے کل مجھے کرتی رہی
اور اسرارِ عجب پھر ذہن پر وا ہو گئے
ذات کے بھولے ہوئے آلام بھی یاد آ گئے
کانپتے ہاتھوں سے میں نے شیلف میں رکھی کتاب
چلتے چلتے الوداعی سی نظر اک ڈال کر
میں تھکے قدموں سے بالآخر وہاں سے چل پڑی
اور تعاقب میں مرے الفاظ کے آسیب تھے۔

سفیرِ درد کے نام

اتنا پرہول سناٹا تھا سرِ دشت صدا
شاخساروں میں کوئی لرزش موہوم نہ تھی
چند بے ربط سی آوازوں کے سائے لرزاں
جن کو اس زخمِ تمنا سے تعلق بھی نہ تھا
جو مری طاقت گویائی کا پرتو ٹھہرا
وہ کڑا درد تو سینے میں مقید ہی رہا
مرے اشعار بھی اس غم کا مداوا کب تھے
وحشتیں مرگ کا غمناک اندھیرا لے کر
روز ڈستی تھیں مرے قلب و نظر کو آ کر
پھر اچانک ہی سنی میں نے وہ آوازِ دِرا
میرؔ کے لہجے کو میں نے جو مجسم دیکھا
دشتِ احساس سے زخموں کے وہ سوتے پھوٹے
اشک برسانے لگیں میری لرزتی پلکیں
ختم ہونے لگے صدیوں کی تھکن کے آثار
اور سماعت پہ برسنے لگے آواز کے پھول
نشترِ شب نے لگائے تھے جو چرکے دل کو

وہ چمکتے ہوئے تارے سے بنے میرے لئے
لذت درد کا احساس ہوا پھر مجھ کو ——
میں نے بھی چوم لیا اپنے دُکھوں کا تیشہ
شدتِ کرب میں قاتل کو دعائیں دے دیں
ہنس کے غم سہنے کا مجھ کو بھی سلیقہ آیا
اب تو ہونٹوں پہ مرے ہیں یہ دعائی کلمات
اے خدا زندہ رہے سوز میں ڈوبی آواز
قریۂ دِل میں مہکتے رہیں زخموں کے گلاب

○

بجائے مثبت خیال تیرے
میں ان کو دل سے لگا رہی ہوں
مگر وہ منفی خیال کِس کے ؟
میں جن کو اب تک نبھا رہی ہوں

○

تو دل میں جگہ دے، کہ نگاہوں سے گرا دے
بجھتے ہوئے شعلوں کو نہ اب اور ہوا دے

کیوں رہتا ہے آنکھوں میں مچلتا ہوا پانی
اے شہر تہہ آب مجھے اپنا پتہ دے

میں ترک تعلق پہ یقیں کر نہ سکوں گی
تو دل کے صحیفوں سے مرا نام مٹا دے

تاروں کا سفر ہے کہ دہکتا ہوا صحرا
اپنا تو یہ عالم ہے کہ بارش بھی جلا دے

لوٹوں نہ کبھی اپنے عزاداروں میں پھر سے
اے جان جہاں اب کے کوئی ایسی سزا دے

بچپن کی سہیلی ہو کہ گلشن کی ہوا ہو
کوئی تو ہو جو نام مرا لے کے صدا دے

اس آس پہ طوفاں کے حوالے میں ہوئی ہوں
جھونکا کوئی آندھی کا مجھے تجھ سے ملا دے

اے دوست ہمیشہ تو مجھے یاد رہے گا
تو دل سے بھلا دے مجھے ہاں دل سے بھلا دے

صدیوں کی سلگتی ہوئی صحرائی غزل کو
سرسبز سے جذبوں کی امیں کوئی گھٹا دے

گر چاند ستارے جو میسر نہ ہوں رُونا
تو سرخ گلابوں سے ہی گھر اپنا سجا دے

امام کعبہ کی آواز سُن کر

سوئے بطحا سے لے کر عجم کا سفر
درِ کعبہ سے لے کر جبیں کا سفر
اِک صدا کا حسیں دلنشیں سا سفر
مرحلہ وار نزدیک آ ہی گیا
پھر سماعت میں اِک نور سا گھُل گیا
دل کے صحرا میں اک گلستاں کھِل گیا
وجد میں آگئی شام افسردگی
جذبۂ عشق کی ایک شمع جلی
یوں لگا درِ اقدس کی دلکش ہوا
یوں لگا صحنِ کعبہ سے بادِ صبا
ساتھ اِس رنگ اور نور کے آئی ہے
خوش نگاہی مِری تھی یا سوزِ دروں
میرے دیرینہ خوابوں کا اِک عکسِ نو
شوق کی نغمگی، غم کی تابندگی
اشک بن کے نگاہوں میں جلنے لگی
بے کراں ہوگئی میری وارفتگی

توڑ کر سب حدودِ زمان و مکاں
فاصلے قربتوں میں بدلنے لگے

اللہ اللہ یہ چاندنی کا سفر
آنسوؤں، چاہتوں، خوشبوؤں کا سفر
سیّد المرسلین کے نگر کا سفر
جذبۂ شوق کی انتہا کا سفر

○

ہم بھی اے کاش بے وفا ہوتے
ان کے شکوے تو کچھ بجا ہوتے
خیر گزری کہ وہ نہیں آتے
حادثے کیا نہ رو نما ہوتے

○

میری آنکھوں کو نئے خواب دکھانے آؤ
شمعِ امیدِ ملاقات جلانے آؤ

خلقتِ شہر سے خائف ہو تو اے جانِ حیات
تم کسی اور سے ملنے کے بہانے آؤ

روز بہتے ہیں یہ فرسودہ گھروندے جاناں
اشک وادی میں نئے محل بنانے آؤ

گم ہوئی ہو میرے ہاتھوں سے کوئی شے جیسے
تم کو دیکھے ہوئے گزرے ہیں زمانے آؤ

اپنے ہاتھوں سے سنوارو مری ہستی جاناں
ورنہ شمعِ غمِ ہستی ہی بجھانے آؤ

میری پلکوں کے بھی حاضر ہیں ستارے جاناں
تم کسی کی ہی سہی مانگ سجانے آؤ

○

راہ کی کٹھنائیاں ہیں اور ہیں
درد کی پہنائیاں ہیں اور ہیں

چاند بھی ویراں ہے میری طرح
رات کی تنہائیاں ہیں اور ہیں

ہے ہیولوں کا تعاقب مشغلہ
آپ کی پرچھائیاں ہیں اور ہیں

تبصرے ہوتے ہیں میری ذات پر
انجمن آرائیاں ہیں اور ہیں

کرب تنہائی میں دل ڈوبا نہیں
فکر کی اونچائیاں ہیں اور ہیں

آپ بھی الزام مجھ کو دیجئے
عشق کی رسوائیاں ہیں اور ہیں

کتنے اندیشے ہیں تنہا جان کو
سوچ کی گہرائیاں ہیں اور ہیں

○

دردِ جاناں زندگی کا دوسرا مفہوم ہے
پیار کرنے کی تمنا فطرتاً معصوم ہے

ان کے خال و خد تلک تو ہے وضاحت حسن کی
اس سے آگے دلفریبی حسن کی مخدوم ہے

خواہشوں کی بھیڑ میں اخلاص کے رشتے کہاں
آج کل ہر شخص اپنی ذات کا محکوم ہے

اُن کو چاہنے کا تو مجھ کو ہے مکمل اختیار
بے وفائی بے رخی اُن کی مرا مقسوم ہے

دل کو بہلانے کو یوں ہی ایک نامہ لکھ دیا
جو جواب آئے گا اُن کا وہ مجھے معلوم ہے

عالمِ امکاں میں اس کا دیکھنا کیا دیکھنا
آج تک جو جانِ جاں کی دید سے محروم ہے

میرے ہاتھوں سے اے رونا تازیہ گر پڑا
جو کبھی ظالم تھا دیکھا آج وہ مظلوم ہے

○

ہم وفا کی راہ میں بدنام ہوتے جائیں گے
تذکرے مہر و وفا کے عام ہوتے جائیں گے

سخت تر ہو جائے گا عشاق پر چرخِ کہن
پیار کے دو بول بھی دشنام ہوتے جائیں گے

تشنہ کامی شیوۂ اہل وفا رہ جائے گی
پینے والے ہر نگر میں عام ہوتے جائیں گے

ہمت و صبر و شکیبائی فنا ہو جائے گی
زندگی کے فلسفے ابہام ہوتے جائیں گے

قیس اور فرہاد کے قصے رہیں گے جاوداں
اہل دل رونا یونہی بدنام ہوتے جائیں گے

○

آنکھ میں اِک خواب بے تعبیر تھا
جو حدیثِ درد کی تفسیر تھا

میں جسے پایَل سمجھتی ہی رہی
وہ مگر اک حلقۂ زنجیر تھا

میں جدا ہونے پہ افسردہ نہ تھی
سچ تو یہ ہے وہ بہت دلگیر تھا

وہ مجھے آزاد کرتا کیا بھلا
وہ تو خود پابستۂ زنجیر تھا

راہبر جس کو سمجھ بیٹھی تھی میں
درحقیقت عام سا رہگیر تھا

پیار کی مجرم تو روناؔ ہی رہی
وہ تو اِس وادی میں بے تقصیر تھا

گنگناتا نرم رو مہتاب تھا
آنکھ میں مہکا ہوا اک خواب تھا

اس کی باہوں کا تو بس تھا واہمہ
مجھ سے تو لپٹا ہوا گرداب تھا

کچھ ادھورے گیت لب پر رہ گئے
ہات میں ٹوٹا ہوا مضراب تھا

پھول اور خوشبو کے منظر نیند میں
ہر حقیقت میں نہاں اک خواب تھا

اُس کے دامن کا ستارہ بن گیا
قطرۂ خوں آنکھ میں بے تاب تھا

مستقر اس کا نہ جانے ہے کہاں
وہ صبا تھا یا کہ اک سیلاب تھا

خود کو پانا اب کہاں ممکن رہا
اپنی ہستی میں تو وہ پایاب تھا

○

کیا خطا ہم سے ہوئی اب یاد فرماتے نہیں
اب تو پہلے کی طرح خط آپ کے آتے نہیں

کھا رہا ہے پھر ہمارا دل فریبِ آرزو
ہم سنور بیٹھے ہیں لیکن آپ ہی آتے نہیں

جاذبِ قلب و نظر ہے فرشتوں کا حُسن بھی
اِس لئے ہم بھی ہیں مخفی سامنے آتے نہیں

چھا نہ جائے آرزوؤں پر کہیں غم کا غبار
میری ہستی کے مسائل آپ سلجھاتے نہیں

اپنی آنکھوں میں ہیں رونا کتنے میخانے ہنوز

[redacted]

سرخ حویلی کے در پر اب تالا رہتا ہے
روشندانوں پر مکڑی کا جالا رہتا ہے

ریشمی آنچل کو لہرانا اب تو بھول گئی
میرے شانوں پر دُکھ کا دوشالا رہتا ہے

کرب کی دھیمی آنچ میں تن من جلتا جاتا ہے
چاندنی ایسے درد کا دل پر ہالا رہتا ہے

میری آنکھیں اُس کے خوابوں میں گم رہتی ہیں
جانے اب کس دیس میں وہ متوالا رہتا ہے

اس کی آبلہ پائی جب سے میرے نام ہوئی
میرے پاؤں پر اُس دن سے چھالا رہتا ہے

○

تری گلی سے مری گلی تک ہزار صدیوں کا فاصلہ ہے

جو مرگ صبحِ وصال بن کر اداس آنکھوں سے دیکھتا ہے

مرے خیالوں نے جس کو چاہا، وہی تصور ہوا مجسم
وہی غزل ہے وہی زمیں ہے وہی ردیف اور قافیہ ہے

جو قصرِ جاں کا امین ٹھہرا دل و نگہ کا مکین ٹھہرا
اُسے میں کس نام سے صدا دوں عجیب مشکل سا مرحلہ ہے

میں رقص لمحہ میں ٹھٹک گئی ہوں تماش بینوں میں وہ کھڑا ہے
کہ جس نے میری انا کے بت کو سلگتی دیوار میں چنا ہے

خزاں کے عفریت ہات پھیلا کے مجھ سے ہی مجھ کو مانگتے ہیں
کہیں کوئی پُر بہار لمحہ مری جوانی کو رو رہا ہے

مسافتوں کے عذاب سارے تو مسکرا کے ہی جھیلنے تھے
مگر یہ آسیب جاں ہے کیا غموں کی لے پر جو ناچتا ہے

سوچتی ہوں میں یہ

سوچتی ہوں نگاہوں کے کشکول میں
چند موتی فروزاں فروزاں سے ہیں
وقت کی دھوپ میں ماند ہوں نہ کبھی
میں کہ چاہت کی خیرات لوں نہ کبھی
باوجود اس کے ہو نہ غمِ ریزگی
بس کہ شیشوں کی آواز آتی رہے
کہکشاں خواب کی جھلملاتی رہے
میری پلکوں پہ تارے سجاتی رہے
اور ٹوٹے دریچوں کے پٹ تھام کر
ایک مانوس آواز آتی رہے

سوچتی ہوں کہ اسرار سنگیں محل
مجھ پہ وا ہوں مگر نارسا خواہشیں
ابر آلود شاموں کے نوحے لکھیں
عشقِ بیچاں کی بیلیں سلگتی رہیں
اَن کہی دلنشیں داستانوں کے غم
کہرہ خاک میں پھر بکھرتے رہیں

سوچتی ہوں کہ ایسا بھی ہو کر رہے
توڑ دوں سوئی چاک جگر نہ سیئوں

جانکنی کے عذابوں کی لذت چکھوں
پیاس بھی ہو بہت پر نہ پانی پیوں
قطرہ قطرہ میں اپنے ہی آنسو پیوں
اپنے غربال سے جسم کی لاش کو
اولیں ساعتوں کی وہ دلہن کہوں
زیست بھر کے لیتے ایک بُت کے لئے
یاد موسم جکڑنے جو آئے مجھے
آندھیاں صحنِ گلشن میں رقصاں رہیں
سونے کھنڈر ہواؤں سے گرتے رہیں
سوکھے پیڑوں کے دُکھ داغ بن کر کھلیں
اور شیشے چٹختے بکھرتے رہیں
صرف آنسو ہی محوِ چراغاں رہیں
اور حرفِ دعا کی یہ قیمت رہے
اس کو میری محبت کی حسرت رہے
خوبصورت خلش اس کے ہمراہ رہے
سرخرو میں رہوں عمر بھر کے لئے

سوچتی ہوں میں یہ

آئس لینڈ

تیری سرزمیں پر
کھڑی ہوں میں کب سے
ہوا جسم پر تیر برسا رہی ہے
میری آنکھ میں اشک خونِ جگر کے
یہ طوفاں مچلتے ہوئے پانیوں کے
وہ مانوس چہرہ کہاں کھو گیا ہے
یہ تیری محبت کا اندازہ کیسا
وفا منجمد ہے، نظر سونی سونی
بڑی دِل گرفتہ سی ہونے لگی ہوں
بہت سرد ہونے لگے ہاتھ میرے
میں لکھنا جو چاہوں
تو لکھ نہ سکوں میں
تجھے جانِ جاناں
تری آرزو برف زاروں میں لائی
حرارت کا درجہ گرا ہے یہاں پر
محبت کی گرمی کہیں بھی نہیں ہے
مری خواب دنیا بھی کتنی خنک ہے
مری سرد پلکوں پہ سائے غموں کے

خدایا خدایا !
برودت کی کلفت کہاں تک سہوں میں
نہیں چاہیے برف زاروں کی جنت
مجھے پھر پرانے جہنم عطا کر
تپش آرزو کی وفاؤں کی حدت
عذابوں کے قابل مجھے پھر بنا دے
خدایا سبھی برف پگھلا کے رکھ دے
مری منجمد آرزو جی اُٹھے پھر
مجھے پھول لہجے کی شبنم عطا کر
مرے سرد ہونٹوں کو نغمات دے دے
مجھے آبلہ پائی کی آرزو ہے
مجھے ایک لمبا سفر اور عطا کر
مجھے پھر عطا ہو وہ گم گشتہ جنت
مجھے سوزِ غم کا جو احساس دے دے
مرے خواب لمحوں کی راحت کو لے کر
مجھے بخش دے رت جگوں کی سزائیں
خدایا خدایا !

مرے خوابوں کی صورت جل رہا تھا
یہی گھر تھا وہ جس میں کل رہا تھا

بعد مدت
جب اس کو [illegible] میں نے دیکھا
وہ لمحہ چاند بن کر ڈھل رہا تھا

دل و جاں میں اُتر کر رہ گیا وہ
کہ ماتھے پہ جو اس کے بَل رہا تھا

نئی فصلوں کی اُمیدیں اُگی تھیں
فقط جب ملکیت اِک ہل رہا تھا

بتاؤ میرے جانے پر ہوا کیا؟
کفِ افسوس کوئی مل رہا تھا

جب اُس کو جانِ رونا لکھ رہی تھی
تو جیسے ہاتھ میرا شل رہا تھا

○

یا مجھے اذنِ سفر دے یا مرے پَر کاٹ دے
اے مرے رہبر نما تھوڑا سا میرا ساتھ دے

دائرہ در دائرہ محوِ سفر سوچیں مِری
میرے افکارِ غزل کو درد کی سوغات دے

میرے اندر روشنی سی پھوٹتی جاتی ہے اب
شاہراہِ زندگی پہ اپنے غم کی رات دے

ارتقا کی دلنشیں صبحیں مبارک ہوں تجھے
میری بجھتی شام کے واپس مجھے لمحات دے

زخم بھرنے کی کوئی صورت اگر ممکن نہیں
پھول کھِلنے کے لہو میں کچھ تو امکانات دے

قطرہ قطرہ ایک حیرت زا سمندر ہو مرا
اور بصارت کی اکائی کو مری جزئیات دے

درد دل کو راس ہے
بات کوئی خاص ہے

شعر درد کے سفیر
سوچ رُت اداس ہے

اپنے خون کی طلب
کِس جسم کی پیاس ہے

روشنی گہن ذرہ
چاند بدحواس ہے

کوئی دور ہو کے بھی
میرے آس پاس ہے

خود پہ ہے تیرا گماں
عجیب التباس ہے

نیند میں بھی جب گنا
خواب کی بھی آس ہے

○

چاند کی افسردہ سی ضیا ہے
آج تو دل اپنا بھی خفا ہے

لمحوں کی سولی پہ چڑھ کے
صدیوں کا زہراب پیا ہے

من کی ویراں سی کٹیا میں
آدھی رات کو دیپ جلا ہے

مشعل کی لو کانپ رہی ہے
رات اندھیری تیز ہوا ہے

آپ کی یاد کا موسم دل میں
صحرا میں اک پھول کھلا ہے

قسطوں کی ہم موت مرے ہیں
قطرہ قطرہ زہر پیا ہے

من مندر میں آگ لگی ہے
آنکھوں میں رِم جھم برکھا ہے

کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہوں اب
جنگل میں حیران صدا ہے

رونا آپ پریشاں کیوں ہیں ؟
حال کسی نے کب پوچھا ہے

محبت خواہش بنتی رہے گی
نگہ منظر نئے چنتی رہے گی
تو جائے گا تو اِک پاگل سی لڑکی
تری آوازِ پا سنتی رہے گی

رات بھر بارش رہی

سرخ پتے بھیگ کر لودے اُٹھے
پھر چناروں کا نگر روشن ہوا
جیسے کوئی زخم خوردہ مطربہ
نغمۂ ہوا کے رات بھر گاتی رہے
کیسا سناٹا ہے دل کے شہر میں
ہچکیاں جیسے شکستہ قہقہے
بے قراری سے مژہ رُت جگے
چل پڑے ہیں درد و غم کے قافلے
آہ تھا وہ بھی گمانِ دلنشیں
جو میری پلکوں کو روشن کر گیا
اِک گماں تھا دھوپ کا
جو بن گیا میری ہنسی
اِک گماں برسات کا
جو بہہ گیا اشکوں کے ساتھ
ٹوٹتا ہی رہ گیا
انگڑائیوں میں پھر بدن
ایک بھولا خواب سونے کو مگر کہتا رہا

تھپکیاں دے کر، ڈرا کر، اور سمجھاتے ہوئے
دل وہ پاگل تھا کہ، کوئی بات کیسے مانتا
دور اِک آباد ویرانے میں وہ نازآفریں
بے خبر ہے اپنی سلگائی اس آگ سے
اور چناروں کے نگر کی، زخم خوردہ شاعرہ
آج بھی تھی بے قرار
رات بھر بارش رہی
اور صبح نکلی زیرِ آب

○

زندگی کی ایک صورت ہو گئے
تیرے غم میری ضرورت ہو گئے
روشنی تک راہبر بھی ساتھ تھے
تیرگی چھانے پہ رخصت ہو گئے

حقِ استرداد

ہستی کے بکھیڑوں سے
آزاد میری ہستی
اترائی ہیں پھرتی ہوں
ان شوخ ہواؤں میں
افکار کی آزادی
اقرار کی آزادی
انکار کی آزادی
آزادی پر نازاں ہوں
تاراجیِ ہستی کے آلام نہیں مجھ کو
وہ حق جو ازل سے ہی
قدرت نے دیا مجھ کو
اور میرے بزرگوں نے
تسلیم کیا اس کو
جو میری تمنا میں
آتے ہیں مرے گھر تک
معلوم نہیں ان کو
ہے درد کی عظمت کیا

احساس امانت کیا
یہ لوگ ہیں ناواقف
میرے دل کے اُجڑنے سے
بستی جو اُجڑ جائے
وہ بستی نہیں بستی
ہر عرضِ تمنا پہ انکار ہیں کرتی ہوں
جھٹلاتی ہوں ہر اِک کو
درخواست دہندہ تو
مایوس ہی جاتے ہیں
فی الحال ہے نام اس کے
احساس کی زیبائی
جذبات کی سچائی
ہر اشک وفا میرا
فی الحال تو سب اچھا
لیکن غمِ فردا ہے
یہ ڈر ہے مرے دل میں
بے درد زمانے سے
گھبرا کے مرے احباب
محروم نہ کر ڈالیں
اِس حق سے مری ہستی
سنگینیٔ استرداد

اشکوں میں پگھل جائے
میں کچھ بھی نہ کر پاؤں
حالات نہ ہوں بس میں

اور غیر کی ہو جاؤں
آزاد خدا میرے
امروز تو اچھا ہے
فردا مرا کیا ہوگا ؟

○

"برادر بہار الاسلام کے نام"

اے برادر اے ہمارے گھر کی پہلی روشنی
تیری ہستی پر فدا تھی چاند کی تابندگی

تجھ کو بننا تھا مجاہد گلشنِ اسلام کا
اور رکھنا تھا بھرم اپنے ہی اچھے نام کا

تو شگفتہ پھول تھا تو وادیٔ کشمیر کا
تو کہ تھا ننھا محافظ نور اور تنویر کا

تو تھا جب مجھ میں شعورِ زندگی آیا نہ تھا
میری آنکھوں نے تجھے دیکھا تھا اور سمجھا نہ تھا

میں بھی تھی گہوارے میں اور مجھ کو خبر کچھ بھی نہ تھی
سب نظارے تھے مگر میری نظر کچھ بھی نہ تھی

والدہ کہتی ہیں تو مجھ پر بہت تھا مہرباں
گود میں لے کر سناتا تھا مجھے تو لوریاں

وائے قسمت کم سنی میں ہی چراغ آسا بجھا
چھوڑ کر سب کو اکیلا تو سفر پر چل دیا

تجھ کو کھلنا تھا بہاروں کی قیادت کے لئے
کارگاہِ دہر میں حق و صداقت کے لئے

آہ لیکن بن کھلے تو اس طرح مرجھا گیا
چاند کے ماتھے پہ جیسے ابر سا لہرا گیا

کم سنی میں تیری دانش باعثِ حیرت بنی
معترف ہیں آج تک تیری ذہانت کے سبھی

روشنی کا باب انجانے نگر کا ہو گیا !
آگہی کا اِک ستارہ ظلمتوں میں کھو گیا

تیری خاطر ہیں فسردہ اہلِ دل اہلِ نظر
آج تک تیرے لئے روتی ہے ارضِ کاشمر

تجھ کو پہنچے آگ میں جلتے چناروں کا سلام
غمزدہ افسردہ یاس میں ڈوبی بہاروں کا سلام

ہے دعا کہ مستقر تیرا سدا جنت رہے
تیری تربت کا محافظ سایۂ رحمت رہے

○

شب گزیدہ آنکھ کو پُر نور رہنا چاہیئے
خواب وادی میں کوئی محصور رہنا چاہیئے

ہلکی ہلکی آنچ میں اک طور رہنا چاہیئے
دل شکستہ ہو کے بھی مسرور رہنا چاہیئے

جب انا کی بات ہو تو مصلحت ہے ناروا
ہاں وفا کے شہر میں رنجور رہنا چاہیئے

جو پرندہ رقص کے آداب سے واقف نہ ہو
اُس کو قصرِ شہنشاہ سے دور رہنا چاہیئے

ہو تہی جن کا ہمیشہ کیسۂ مہر و وفا
ایسے دریوزہ گردوں سے دور رہنا چاہیئے

ہم تمنا ہی کریں اور آپ کو نہ پا سکیں
تھوڑا تھوڑا آپ کو مغرور رہنا چاہیئے

سبز موسم میں وہ یاد آئے مگر اب کے برس
آم کے پیڑوں پہ کچھ کچھ بور رہنا چاہیئے

اس سے پہلے شاہزادی پر کئی نظریں اٹھیں
سات پردوں میں اسے مستور رہنا چاہیئے

○

محبت زخم کاری دے گئی ہے
شبوں کی بے قراری دے گئی ہے
چٹانوں نے ردائیں اوڑھ لی ہیں
ہوا وہ برف باری دے گئی ہے
نہ جانے کون سی رت ہے چمن کی
گلوں کو بے بہاری دے گئی ہے
میں گمنامی میں زخمی تو نہیں تھی
یہ شہرت سنگ باری کو دے گئی ہے
کسی سے جو کبھی ممکن نہیں تھا
وہ غم بادِ بہاری دے گئی ہے
ہمارے لفظ پھر بڑھتے گئے ہیں
نئی رُت کیا عیاری دے گئی ہے
اُچٹتی سی تغافل کی نظر اک
صدا کی اشکباری دے گئی ہے
جو بارش ٹوٹ کر برسی تھی دل پر
وہی بے اختیاری دے گئی ہے
عجب ہی ذودِ رنج لڑکی ہے رؔونا
غموں کو غمگساری دے گئی ہے

یہ زلفیں جو سیہ ہیں اور گھنی ہیں
فقط تیرے لئے جاناں بنی ہیں

شہادت داغ دل کی کون دے گا
فقط اِک چاند پر نظریں لگی ہیں

انہیں پابندیاں کیوں راس آئیں
یہ گڑیاں طاق میں کیوں کر سجی ہیں

لرزتے کانپتے پلکوں کے جنگل
کہ شاخیں سی نگاہوں میں گڑی ہیں

بھلا کس بات کی تمثیل ہیں یہ
بڑی مبہم سی تصویریں بنی ہیں

منجّم کہہ میری تقدیر کیا ہے
مری قسمت میں وہ آنکھیں لکھی ہیں

○

خوشی کے آستانے ڈھونڈتی ہوں
میں گم گشتہ زمانے ڈھونڈتی ہوں

تصور میں چلے آتے ہو جب تم
میں رونے کے بہانے ڈھونڈتی ہوں

مجھے ذوقِ نظارہ اس قدر ہے
سبھی منظر سہانے ڈھونڈتی ہوں

غمِ امروز و فردا سے نکل کر
میں روز و شب پرانے ڈھونڈتی ہوں

رو پہلی چاندنی میں شب کو اکثر
امیدوں کے خزانے ڈھونڈتی ہوں

بہاروں کی جواں راتوں میں رونا
خزاؤں کے فسانے ڈھونڈتی ہوں

مرے حبیب

تھکن زدہ سی ہوئی ہیں یہ اُنگلیاں میری
میں سوچتی ہوں
لکھوں کیسے تجھ کو وہ باتیں
جو تلخ تر سی لگیں تیری طبعِ نازک کو

مرے حبیب!
مرے درد کا تقاضا ہے
کہ اس کو صفحہ قرطاس میں بکھیر دوں میں

مرے حبیب!
مجھے تو بھلا چکا ہو گا
تری قسم کہ تجھے میں بھلا نہیں پائی.
نئے خیال کے تابع تو ہو چکا ہو گا
(مجھے پتہ تھا بدلتی ہے فطرتِ انساں)
مگر وہ عہدِ وفا جو بہت مقدس ہے
دل و نگہہ کی دیوار پر فروزاں ہے
مرے لہو سے جسے وقت نے لکھا تھا کبھی
ابھی تو زخم مرے خون سے چمکتے ہیں
ابھی تو گھاؤ ہرے ہیں حسین یادوں کے
الاؤ درد و الم کے ابھی دہکتے ہیں

مرے حبیب !
تجھے میں ابھی نہیں بھولی
وہ میں ہی تھی کہ جلا کر سفینے ساحل پر
عدوِ مرگ یہ آئی تھی زندگی کے لئے
گلاب ہونٹوں کی لرزش نگہہ میں ٹھہری تھی
سیاہ آنکھیں ہی میرا وجود لے ڈوبیں
کہ سبز شاخیں سہارا نہ دے سکیں مجھ کو
تھا جن کا حلقہ بھی تیرے ہی بازوؤں جیسا
(مرے نصیب میں گرداب کی رفاقت تھی)
بکھرنا دل کو گوارا کبھی نہیں ٹھہرا
کوئی بھی حال رہا راستہ نہ بھولی
خدا کا شکر کہ اب بھی انا سلامت ہے
مرے حبیب !
تو مجھ سے الگ ہوا ہی کب
تو میرے دل میں مقید ہے دھڑکنوں کی طرح
مرے حروف سمجھنا نہ کوششِ تجدید
مرے خیال میں تجدید تو وہاں ہوگی
جہاں غبار بکھرا ہو گزرے لمحوں نے
ہمارے رشتے تو ہیں آج بھی ترو تازہ
میں جانتی ہوں تجھے میں عزیز تھی پہلے
تو جانتا ہے مجھے تو عزیز ہے اب بھی
اور اس کے بعد تفاوت کا ایک پہلو یہ

کہ تیری جانِ جہاں اور بھی کوئی ٹھہری
مگر کہ میں نے
تجھے ہی کہا "حبیب مرے"
یہ حرف اور کسی کے لئے ادا نہ ہوئے

مِرے حبیب !

میری آواز بہت دور بہت دور گئی
تو کہ میرے لئے اِک خواب پریشاں ہی رہا
میرے نغلمات سلگتے رہے تیری خاطر
تو مگر میرے لئے ابر گریزاں ہی رہا

سوئی نہیں میں رات بھر، پھر مجھے نیند آ گئی
ہونے لگی تھی جب سحر، پھر مجھے نیند آ گئی

کھلنے لگے تھے راز جب کوئے حدودِ عشق کے
آئی جو تیری رہگزر، پھر مجھے نیند آ گئی

اتنا ہے یاد سرسری، مقتل کا حال آخری
سر کو رکھا تھا دار پر، پھر مجھے نیند آ گئی

تھا میرا رتجگا فقط تیری نگاہِ شوق تک
تو نے جو پھیر لی نظر، پھر مجھے نیند آ گئی

جب عکس چاند رات کا تیرہ شبوں میں ڈھل گیا
وہ ہوا عازمِ سفر، پھر مجھے نیند آ گئی

حوصلہ یہ اسی کا تھا، مجھ کو الم دے چلا
اس کا مقام جان کر، پھر مجھے نیند آ گئی

شیشے کی تھی بساط کیا تو نے جو پاؤں رکھ دیا
ٹوٹا مرا شکستہ گھر، پھر مجھے نیند آ گئی

رات بہت ہوا چلی، میں بھی ذرا ذرا ڈری
گرنے لگے تھے جب شجر، پھر مجھے نیند آ گئی

میں نے طلوعِ صبح کی کتنی دعائیں مانگ لیں
آئی سحر میں بے خبر، پھر مجھے نیند آ گئی

○

راکھ میں لتھڑی ہوئی ہیں تتلیاں
کس قدر ویران ہیں یہ بستیاں

لوٹ کر جانے کی خواہش کس لئے
اپنے ہاتھوں سے جلائیں کشتیاں

زیبِ مقتل آج تک ہوتی رہیں
کتنی بے بس ہیں بے چاری لڑکیاں

لے لیا ہے جوگ ہم نے آج سے
اڑ گئیں ہیں خواہشوں کی تتلیاں

آشیاں تعمیر ہوں گے جب نئے
ہم بٹیں گے قفس کی تیلیاں

آبروئے عشق ہے قائم ہنوز
محترم ہیں آج بھی کچھ ہستیاں

پیش خیمہ ہیں کسی طوفاں کی
ہیں بظاہر پُر سکوں سی ندیاں

چاندنی راتوں میں ماہیے کی صدا
درد میں ڈوبی ہوئی ہیں بنسیاں

بس رہے ہیں آج بھی حالات میں
کتنے پنّوں اور کتنی سسّیاں

○

دھوپ کے سفر میں بھی درد کی گھٹا سی ہے
مانتی نہ میں لیکن بات کچھ بجا سی ہے

خوشبوؤں کے ہاتھوں میں پھول ہی کے زیور ہیں
آسماں پہ تاروں کی ریشمی رِدا سی ہے

محترم بزرگوں نے میرے نام کر دی ہے
جو زمین اور مٹی میرے خوں کی پیاسی ہے

نام اس کا جانے کیوں بھولتی میں جاتی ہوں
سوچ رت کے جنگل میں اجنبی ہوا سی ہے

مسکراؤں کیسے میں کچھ سمجھ نہیں آتی
درد و غم کے صحرا میں چار سو اُداسی ہے

جل اٹھے ہیں میرے لب روشنی کی خواہش میں
جانِ جاں کے ماتھے پر چاند کی ضیا سی ہے

میرا نام لے لے کر کون پھر بلاتا ہے
گونجتی ہوئی بن میں کس کی یہ صدا سی ہے

ہونٹ ادھ کھلے ہیں اور جھک گئیں مری پلکیں
نیم شب ہتھیلی پر بھیگتی دُعا سی ہے

ساحلوں کے غم لے کر پانیوں میں آئی
ناخدا یہی سمجھا یہ بھی اِک اُداسی ہے

عجیب شوخیٔ حالات آ گئی گھر میں
پکڑ کے میرے حناہات آ گئی گھر میں

نگہہ میں اشک فروزاں ہیں داغ سینے میں
یہ کن حسینوں کی بہتات آ گئی گھر میں

نہ جانے آگے بدلتی ہے رُخ ہوا کیسا
لیئے میں پھول سے جذبات آ گئی گھر میں

جو اُس کا نام کسی نے لیا تو یوں روئے
کھلے دریچوں سے برسات آ گئی گھر میں

نہ اہتمامِ حنا ہے نہ گیت سکھیوں کے
کسی کی یاد کی بارات آ گئی گھر میں

وہ جس پہ ہجر کے موسم نظر میں ٹھہرے تھے
وہ یادگار ملاقات آ گئی گھر میں

سیہ شب نے رگوں سے لہو نچوڑا تھا
جو چاند نکلا تو میں ساتھ آ گئی گھر میں

کسی خیال کی دھن میں انا بھی غلطاں تھی
بھلا کے اپنے خیالات آ گئی گھر میں

نگاہ ایک اچٹتی ہوئی گئی رونا
بلائے ارض و سماوات آ گئی گھر میں

میں مقتلِ آرزو میں رہ لوں مرے قبیلے کا فیصلہ تھا
مرے عزیزوں کا فلسفہ تو میری سمجھ سے بھی ماورا تھا

میں ہنس رہی تھی کہ رو رہی تھی، کسی کو بھی علم ہو نہ پایا
بخیر و خوبی گزر گیا وہ، جو گھر سے مقتل کا فاصلہ تھا

اُسے خبر تھی مری رگوں میں عجیب سی آگ جل رہی تھی
وہ بند مُٹھی میں راکھ لیکر مرے ہی بارے میں سوچتا تھا

بہار رُت کے حسین مسافر کی سنگتیں کب نصیب میں تھیں
میں جس کو اپنا سمجھ رہی تھی وہ میرے جذبوں سے ناآشنا تھا

حسین موسم جھلس رہے تھے، میں اپنے شعلوں میں جل رہی تھی
خوشی کی گھڑیاں تھیں اس کی خاطر مرے حصے میں تو المیہ تھا

میں خود بھی خود کو سمجھ نہ پائی یہ دل کی ضد بھی عجیب شے تھی
اسے میں کس نام سے بلاتی عجیب مشکل سا مرحلہ تھا

بہت ہی اچھا ہوا یہ رونا لگا میں مجھ سے بدل گیا وہ
کبھی تو آخر یہ ٹوٹتا تھا جو میرے خوابوں کا سلسلہ تھا

خوبصورت وادیوں کا سلسلہ اچھا رہا
میرے گھر سے اُس کے گھر تک راستہ اچھا رہا

موت کی بے رحم باہیں وا ہوئیں میرے لئے
درد و غم کا جان لیوا فلسفہ اچھا رہا

کرب کے تاریک جنگل، اور یادوں کے سفیر
آنسوؤں میں بھیگتا یہ قافلہ اچھا رہا

پھول، خوشبو، اور ستارے، چاند کرنیں اور گھٹا
جانِ جاں کی دید کا ہر مرحلہ اچھا رہا

چاند کو دیکھا تو دونوں دیکھتے ہی رہ گئے
بے ضرر معصوم سا یہ رابطہ اچھا رہا

پا لیا جذبوں کی شدت نے اسے اشعار میں
بے ثمر نیندوں سے میرا رت جگا اچھا رہا

ذات میری تجربے اس کو فراہم کر گئی
لوگ سنتے ہی رہے وہ بولتا اچھا رہا

آنسوؤں میں بھیگتی آئی تھی پھر موجِ صبا
سوچ رُت کا موسموں سے رابطہ اچھا رہا

○

میں صبا تھی تو چمن تک پہنچی
قامتِ سرو سمن تک پہنچی

داغ میرے ہیں امانت اُس کی
چاند کی بات گہن تک پہنچی

دیس در دیس بھٹکتی تتلی
آخرش اپنے وطن تک پہنچی

کھل اُٹھے پھر سے دُعا کے غنچے
پھول رُت کوہ دمن تک پہنچی

میری آنکھوں میں برستے موسم
سوچ رُت رنج و محن تک پہنچی

دُکھ ہواؤں کا تھا مجھ سے منسوب
بات کلیوں کے دہن تک پہنچی

خواب وادی میں چھنکتی پائل
اس کے بستر کی شکن تک پہنچی

بھولنا اُس کو کہاں تھا ممکن
بات نغموں کی دُکھن تک پہنچی

کچی نیندوں کے نشے میں روتا
اڑتے اڑتے ہی گگن تک پہنچی

جہاں رکھوں قدم شیشے کا گھر محسوس ہوتا ہے
کہ خود سائے سے اپنے مجھ کو ڈر محسوس ہوتا ہے

معاصر عہد کی سچائیاں آنکھوں میں اتری ہیں
زباں پر ذائقہ کچھ تلخ تر محسوس ہوتا ہے

کسی کو پر شکستہ دیکھنے کا حوصلہ کب ہے
مجھے ٹوٹا ہوا اپنا ہی پر محسوس ہوتا ہے

بس اک خونیں سا منظر دیکھ کر پتھرا گئی آنکھیں
کہ جو پتھر نظر آئے وہ سر محسوس ہوتا ہے

ہر اک تخلیق دل میں درد کا موسم جگاتی ہے
ہر اک نغمہ کسی غم کا ثمر محسوس ہوتا ہے

کہ اب تو جادۂ مقتل بھی خائف کر نہیں سکتا
مجھے یہ کوئے جاناں کا سفر محسوس ہوتا ہے

مرے احباب اکثر بے بصر اس کو سمجھتے ہیں
مجھے جو شخص بھی اہلِ نظر محسوس ہوتا ہے

میں ہوں اب خود یہاں اور دل مرا جانے کہاں پر ہے
لہو میں اُن نگاہوں کا اثر محسوس ہوتا ہے

مختصر آزاد نظمیں

کاش !
رات کے ویران آنچل پر ستارے دیکھ کر
میں نے سوچا ایک پل
کاش تو مجھ کو ملے
رات بھی ویران ہے میری طرح
اور ستارے ضوفشاں تیری طرح
کاش

روشنی کے سوداگر !

مری قبر پہ محل اپنا بنا کے
مجھے ہے خوشی مطمئن تو ہوا ہے
مجھے روشنی کا پتہ دینے والے
بہت شکریہ ہے ترے مشورے کا
مگر کیا کبھی یہ بھی سوچا ہے تو نے
غموں کا اندھیرا
عنایت ہے کس کی ؟

بنجمن مولائس

۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو جنوبی افریقہ کے سیاہ فام شاعر کے پھانسی دیے جانے پر

چند حروف

سلامی جگمگاتی منزلوں کو
بسہ ہاتھوں میں جلتی مشعلوں کو
ترے گلشن میں آئیں گی بہاریں
لہو سے تو نے سینچا ہے گلوں کو
تیری خاطر میں آنسو بہا رہی ہوں
فرازِ کوہ کے اِن بادلوں کو
حسیں جذبے دعائیں چوم لیں گے
ترے لفظوں میں بکھری خوشبوؤں کو
ترے نغمے چھلکتے ہی رہیں گے
بڑھائیں گے جہاں کے حوصلوں کو
دلوں کو انقلابی سوچ دے کر
ضیائیں دے گیا ہے آنسوؤں کو
سلامی ہے ترے عزمِ سفر کو
سلامی صبحِ نو کے قافلوں کو

○

قلبِ مضطر میں جفا کے قافلے رہ جائیں گے
اور باقی عشق کے کچھ مرحلے رہ جائیں گے

یہ نہ سوچا تھا کبھی میں نے کہ اے جانِ جہاں
قربتیں ہوں گی فنا اور فاصلے رہ جائیں گے

کارواں والے رہیں گے اور نہ گردِ کارواں
پاؤں میں رِستے ہوئے کچھ آبلے رہ جائیں گے

کوہکن کی یاد میں یونہی ہمیشہ سرگراں
دشتِ دل کے یہ فروتر سلسلے رہ جائیں گے

دل کی بستی تم چلے جاؤ گے سونی چھوڑ کر
اور مری آنکھوں میں جاناں رت جگے رہ جائیں گے

تم تو پیمانِ وفا کر کے بھلا دو گے ہمیں
ہم تمہاری راہ لیکن دیکھتے رہ جائیں گے

خطۂ مہر و وفا ہے وادیٔ جنت نظیر
لالہ زاروں، آبشاروں، کہساروں کی سفیر

جس کی خاطر شاعروں نے نغمہ ہائے تو لکھے
جس کی خاطر ہم نے بیداد و ستم سارے سہے

یہ مکمل طور پر خوابوں کی وہ تصویر ہے
جس کی آزادی ہی ارضِ پاک سے تعبیر ہے

کربلا کا معرکہ لیکن ابھی ہے پیشِ جاں
کیوں کہ اس وادی کا اک حصہ ابھی تک ہے اسیر

ہیں گراں بے حد گلوں کے دیس کی شادابیاں
پیش روؤں نے لہو دے کر ہمیں سمجھا دیا

ہے رگِ جاں کاشمر اور جانِ پاکستان ہے
ایک دن مل کر رہے گا مژدۂ صبحِ ضیا

آسماں سے تیرگی کی بدلیاں چھٹنے کو ہیں
گل شدہ شمعیں جلانے کا زمانہ آ گیا

عزم کی شمعیں مبارک ہوں مرے کشمیر کو
صدقِ دل سے ہے سلامی نور اور تنویر کو

ہمیں بھی قلب و نظر کی یہ راحتیں تو ملیں
کہ منزلوں سے قریں تر مسافتیں تو ملیں

خدا کا شکر کہ ظلمت ہوئی ہے رخصت اب
طلوعِ مہر کی روشن قبادتیں تو ملیں

تھیں قید و بند کی اذیت میں مبتلا سوچیں
رہائی پانے کی خوش کُن ضمانتیں تو ملیں

خزاں کے زخم بہاروں نے دھو لئے آکر
نگر نگر کو گلوں کی صباحتیں تو ملیں

سنو کہ ختم ہوا رہگزر کا سناٹا !
چلو کہ شہرِ صدا کی حکایتیں تو ملیں

جہاں یہ لکھے گئے تھے مسافرت کے الم
بہار رُت کی وہیں سے عبارتیں تو ملیں

مرے وطن کو اُجالے خدا نصیب کرے
عروسِ نکہتِ گل کی سفارتیں تو ملیں

کہ ارضِ پاک کا سنگم ہے وادیٔ گل سے
ہر اک مقام پہ اس کی شہادتیں تو ملیں

○

اے مرے کشمیر کی سندر سجیلی ناریو!
نازشِ سرو و سمن وادی کی پیاری بیٹیو!
آؤ ہم سب متفق ہو جائیں اس بات پر
اپنے سر کے آنچلوں کو اور کچھ نیچا کریں
اور آزادی کے پرچم کا کبھی سوچا کریں
ہم غبارِ کارواں کو آنکھ کا کاجل کریں
اور جگر کے خون سے رنگِ شفق تازہ کریں
نازشِ لالہ و گل وادی کی پیاری بیٹیو
آؤ ہم پھر اہتمامِ سُرمہ و غازہ کریں

فصیل کے پار رہنے والو!
مجھے بلاتے ہو کس لئے تم
وہاں غلامی کا وہ اندھیرا
جو خون پیتا رہے گا برسوں
جو رُوح کو ڈستا رہے گا صدیوں
جو تھپکیاں دے گا رت جگوں کو
بجھا ہی دے گا بھی دیوں کو
جہاں درندوں کی ہو حکومت
وہاں تحفظ کی کیا ضمانت؟
چلو اگر یہ بھی ہو گوارا
تمہاری خاطر
مگر مجھے یہ نقطہ بتا دو
ہماری تاریخ میں رقم ہے
جو خونچکاں باب ظلمتوں کا
وہ سنگدلوں اور بیڑیوں کا
اُسے بھلا تم سکو گے
مرا تکلم، مرا تفکر
سدا کا باغی ٹھہر گیا جو
لہو کے دھبوں کے سرخ تمغے
خود اپنے ہاتھوں مرے جگر پہ
سجا سکو گے؟
یہ بارِ غم تم اٹھا سکو گے

مرے عزیزو مجھے بتا دو
مجھے بلاتے ہو کس لئے تم
اگرچہ مادی لحاظ سے بھی
تمہیں ہوں آسائشیں میسر
جہاں ہو محکومیت کا سایہ
سکون کیسا ہے اُس زمیں پہ
اسی لئے تو تڑپ رہے ہو
اور سبز پرچم کی آرزو میں
ہزار جاں سے فدا ہوئے ہو
کہ چھاؤں کلمے کی ڈھونڈتے ہو
تمہیں ہو یہ آرزو مبارک
تمہارا حامی خدائے برتر
تمہاری منزل قریب تر ہے
کہ اختتامِ شب سفر ہے
مگر ابھی میں نہ آ سکوں گی
ابھی تو ہیں خونچکاں بہت ہی
وہاں کی صبحیں، وہاں کی شامیں
ابھی تو قانون جنگلوں کا
وہاں ہے نافذ
کوئی کسی کا نہیں محافظ
فصیل کے پار رہنے والو!
منافرت کو مٹا سکو گے؟
مجھے بلاتے ہو کس لئے تم

سوال لمحے !
فصیلِ جاں پہ لکھے گئے ہیں
فصیل کے پار کوئی دیکھے
منافرت کے مہیب شعلے
ہزار سالوں سے رقص میں ہیں
یہ پھول کلیاں، یہ سبز جنگل
جھلس رہے ہیں تمازتوں میں
دھوئیں کے بادل
پُرت رہے ہیں
حسین گلپوش وادیوں سے
یہ مرگِ صبحِ وصال کیا ہے ؛
گلاب لمحوں کو ڈس گئی ہے
سیہ کہرے کی سرد چادر
منافرت کے یہ المیے ہیں
منافقت کے عذاب سارے

دعا کا سورج
قبولیت کی گھڑی کا خواہاں
طلوع ہونے کا منتظر ہے
مرے چراغو !
ابھی نہ بجھنا
لہو کے دھارو !
ابھی نہ رُکنا

یقیں مانو، ابھی وطن کو
لہو سے روشن، کئی چراغوں کی ہے ضرورت
حسیں افق پہ، شفق کی سرخی
چمک رہی ہے
لہو کے دھبے، چنار پتے
ہیں میرا ورثہ
یہ برف آلود، سرد شامیں
ہیں میری اپنی
یہ چاندراتوں کے اجلے تحفے
ہیں میرے اپنے
مگر یہ ٹیلے، بلند کہسار سوچتے ہیں
ہواؤں سے زیرِ لب مخاطب
کہ رنگ لائے گی کب تک، یہ حنا ہماری
لہو کی خوش رنگ روشنی میں
جو بہہ رہی ہے
لرزتے ہاتھوں پہ کچھ دعائیں
الٰہی یہ سرزمین تجھ سے
وہ اپنا آئین مانگتی ہے
کہ جو تعطل میں پڑ گیا ہے
(جو الفتوں کی اساس ٹھہرا)
ہمیں وہ آئین دلبری دے
نئے اُفق کی وہ روشنی دے

جو سارے تیرہ دلوں کے آگے
اُجاڑ شہرِ پناہ کے آگے
وفا کی تمثیل بن کے چمکے
مری یہ جنت نظر وادی
نجات خاروں سے مانگتی ہے
حصار پھولوں کا مانگتی ہے

○

ضیاؤں کے سفر میں کھو گئے ہو
اُداسی قلب و جاں میں بو گئے ہو
مبارک ہو نیا ماحول تم کو!
سُنا ہے تم پرائے ہو گئے ہو

بھارتی سامراج سے

تم امن پرستی کیوں
دنیا کو دکھاتے ہو
تم امن کے داعی ہو ؟
زنجیرِ غلامی میں
اوروں کو جکڑتے ہو
پھولوں کو کچلتے ہو
تم امن کے داعی ہو ؟
کشمیر کی آزادی
کیوں تم نے سلب کی ہے ؟
کیوں کچے گھروندوں کو
تم آگ دکھاتے ہو ؟
محکوم بنانے کا
پھر حق بھی جتاتے ہو
تم امن کے داعی ہو ؟
ہاتھوں سے ذرا دھو لو
مظلوم لہو پہلے
دنیا کو دکھاؤ پھر
تم اپنی بریّت بھی
اب وقت وہ آیا ہے

ہم فیصلہ خود کر لیں
اب اپنے مقدّر کا
(بہلاوے سبھی جھوٹے)
باطل کی غلامی کی
ہم توڑ دیں زنجیریں
یہ شعلے جو اُٹھے ہیں
سر سبز چناروں سے
ایوان جلا دیں گے
یہ برج غلامی کے
اک پل بھر میں گرا دیں گے
غاصب کو مٹا دیں گے
تلوار کے سایوں میں
آواز جو اُٹھی ہے
تم اس کو دباؤ گے؟
یہ آگ بجھاؤ گے؟
تم امن کے داعی ہو؟

شہید کشمیر کے نام

ہر اک آنکھ سے خوں کے آنسو رواں ہیں
فلک پر ستارے بھی ماتم کناں ہیں
چناروں میں شعلے بڑھکنے لگے ہیں
لہو کے دیئے پھر سلگنے لگے ہیں

وہ مہجور کی عظمتوں کا ترانہ
کہاں کھو گیا ڈھونڈتا ہے زمانہ
جو دار و رسن پہ چڑھا مسکراتے
حریت کے نغمات نو گاتے گاتے

اسے ڈھونڈتے ہیں چناروں کے سائے
وہ جو یا ہمیں بڑھ کے گلے لگائے
صلیبوں کے سائے جواں ہونے والے
حمیت کا تازہ نشاں ہونے والے

سلامی ترے حوصلوں کو سلامی
ترے عزم اور ہمتوں کو سلامی
لہو تیرا ہر وقت مہکا کرے گا
حریت کے ماتھے کا غازہ بنے گا

مرے وطن کے عظیم بیٹو
چلو کہ پھر وقت آ گیا ہے
غنیم کو ہم شکست دے دیں
سری نگر کی گلاب وادی
تمہارے قدموں کی منتظر ہے
وہاں کی شاداب تر فضائیں
تمہارے سانسوں کی منتظر ہیں
چنار پتوں کی آگ اب تک
تمہارے اشکوں کی منتظر ہے
بہار لمحوں کی منتظر ہے
مرے وطن کے عظیم بیٹو
چلو کہ پھر وقت آ گیا ہے
غنیم کو ہم شکست دے دیں

[redacted]

وادیٔ گُل افشاں کی
وہ عروسِ آزادی
خواب کے دریچوں سے
جھانکتی رہی برسوں
اور دَرِ حقیقت سے
لوٹ کر گئی واپس
خون راہ میں بکھرا
کتنے جاں نثاروں کا
ہاتھ آس کی نہ وہ
درد ہی بنی دل کا
کب وہ وقت آئے گا
خواب پھر حقیقت ہو
اور عروسِ آزادی
زخمِ دل کا مرہم ہو
اور پھر مقدر ہو
منتظر ہیں آنکھیں اب
اس سعید لمحے کی

آگ کا زیور

کسی تقریب میں، جانے سے پہلے
ہلکا ہلکا میک اَپ کر کے
طلائی ہار، جھمکے، چوڑیاں
جب پہن لیں مَیں نے
نہ جانے کیا ہوا، پھر دیپ سے اُترے
نگاہوں میں
بجھے دل سے لرزتی انگلیوں پہ۔
اک نظر ڈالی
مجھے ایسا لگا کہ میرے ہاتھوں میں ہیں زنجیریں
مرے کانوں، گلے، ہیں سانپ سے جیسے لٹکتے ہیں
لہو کی پیاس میں میرے۔
زبانیں جن کی باہر تھیں
مجھے پوری طرح احساس، جب یہ ہو گیا آخر
یہ پہنا ہے جو میں نے ہے سراسر آگ کا زیور
ابھی تک زخم رِستا ہے مرے کشمیر کا دل میں
ابھی واں ظلم و استبداد کے سائے مسلط ہیں
ابھی تک داغِ محکومی، چناروں میں سلگتا ہے

وہاں زنجیروں کا زیور، سرِ بازار بِکتا ہے
بھلا پھر کس طرح، مجھ کو گوارا ہو یہ آرائش
یہ گہنے، میرے احساسِ الم، پر تازیانہ ہیں
کہ جب تک فیصلہ ہوتا نہیں ہے، وادیٔ گُل کا
مِری خاطر، جب پھُولوں کے غنچے خار ہی ٹھہرے
کہ جب تک سرد شعلے، بارشِ انعام بن جائیں
سلگتی آگ کا زیور
مجھے تو راکھ کر دے گا

مختصر نظم

سبز موسم کے زرد پتے
اُجاڑ بستی میں اڑ رہے ہیں
ہواؤں سے زیرِ لب مخاطب
ہماری کتنی سزا ہے باقی؟

اے داغِ گلِ لالہ!

اے داغِ گلِ لالہ!
برسوں سے منقش ہے
سینے پہ میرے اب تک
یہ سوزِ نہاں تیرا
یہ زخمِ جواں میرا
ہم دونوں کا غم ٹھہرا
یہ داغ لہو بن کر
کشمیر کے لوگوں کا
راہوں میں فروزاں ہے
اشکوں میں چمکتا ہے
تاروں میں دمکتا ہے
مہجور کی وادی پہ
اغیار مسلط ہیں
اذہان سلگتے ہیں
محبوس شکستہ جاں
مجبور مسلماں ہیں
رنجور پریشاں ہیں
اے داغِ گلِ لالہ

اس داغ کا شیدائی
اب قافلۂ جاں پھر
منزل کو روانہ ہے
جو دیس رگِ جاں ہے
اس دیس کو پانا ہے
اے داغِ گلِ لالہ
اُمید دلا مجھ کو
کب پھُول کھلیں گے پھر
زخموں کی چھاؤں میں ؟
کب دیپ جلیں گے پھر
تاریک گپھاؤں میں
اے داغِ گلِ لالہ
تو خون شہیداں ہے
اس خون شہیداں کا
گلشن سے تقاضا ہے
شاموں کی اداسی کو
صبحوں میں بدل ڈالیں
احساس کے روزن میں
یہ داغ فروزاں ہے
یہ داغ نشانی ہے
اس صبح مسرت کی
ہم جس کے لیے کب سے

لمحات کو گنتے ہیں
منزل کو ترستے ہیں
یہ داغ مسافت کے
مٹنے کی علامت ہے
یہ داغ امانت ہے
جذبوں کی صداقت ہے

○

نہاں کر کے غموں کو مر رہی ہوں
تمہیں کہنے سے اپنا ڈر رہی ہوں
جہاں کچے گھڑے ٹوٹے تھے میرے
اُسی دریا سے پانی بھر رہی ہوں

○

تیرے آنسو مرے دوپٹے پر
جذب ہو کر چمک گئے ہوتے
ایک لحظہ وفا کی خوشبو سے
دونوں عالم مہک گئے ہوتے

اے صبح کے تارے سُن!

اے صبح کے تارے سُن!
کشمیر کی اِک بیٹی
پھر تجھ سے مخاطب ہے
اے صبح کے تارے سُن!
کشمیر کی قسمت کا
تارہ ہے چمکنے کو
خوابوں کے شریکِ تک
آنکھوں کے گھر کب تک
راہوں میں جذب ہوں گے
بے نام مسافت کو
اِک سمت ضرورت ہے
اب طائرِ زخمی کو
آکاش کو چھونا ہے
اور اپنی غلامی کا
ہر داغ مٹانا ہے
اور اُونچی اڑانوں سے

ہر زخم بھلانا ہے
اے صبح کے تارے سُن!
تجھ سے ہے یہی کہنا
منزل ہے قریں اب تو
آلام ہیں چھٹنے کو
ابہام ہیں مٹنے کو
صدیوں کی غلامی کی
ہے برف پگھلنے کو
کشمیر کی قسمت کا
تارہ ہے چمکنے کو
اے صبح کے تارے سُن!

○

ہم دستِ صبا کے بھی طلب گار کہاں ہیں
جلتے ہوئے آئے ہیں ہواؤں کے نگر سے
بیزاریٔ منزل نے یہ آداب سکھائے
اس درجہ نہ مانوس تھے ہم گردِ سفر سے

شہیدوں کے لہو کی سرخیاں اعجاز دیتی ہیں
سنو اے کشمیریو! پھر منزلیں آواز دیتی ہیں
ہری پربت پہ لہراؤ ہلالی سبز پرچم کو
اٹھو اے تمکو دعائیں ہمتِ پرواز دیتی ہیں

ظلمتوں کے سائے میں، روشنی کی خواہش ہے
موت کے شکنجے میں، زندگی کی خواہش ہے
نام کیا میں دوں اسکو مصلحت پسندی کا
پیاس ہے لہو کی اور، آشتی کی خواہش ہے
پھر چنار جلتے ہیں، درد کے اندھیروں میں
وادیٔ گل افشاں کو چاندنی کی خواہش ہے

مقید جال میں اپنے ہی خود صیاد ہو جائے
جفا کیشوں کی ہستی اس طرح برباد ہو جائے
کسی کے لب پہ شکوہ ہو نہ پھر اپنے اجڑنے کا
تمنا ہے مرا کشمیر یوں آباد ہو جائے
غلامی کے سیہ بادل چھٹیں اب کہساروں سے
الٰہی! وادیٔ جنت نشاں آزاد ہو جائے

یہ رشکِ فلک، لالہ بنفشہ کی زمیں ہے
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے
ہر خطۂ دنیا سے کہیں بڑھ کے حسیں ہے
یہ جنت ارضی تو ستاروں سے قریں ہے
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

ریحان و چنبیلی کی جوانی ہے اسی میں
گم گشتہ جنت کی کہانی ہے اسی میں
اور عارفہ للہ کے بھی واکھوں کا ترنم
مہجور کے نغموں کی روانی ہے اسی میں
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

برفاب سے لبریز ہیں کہسار یہاں پر
چاہت بھری چائے کے سماوار یہاں پر
تہذیب و وفا کے ہیں وہ آثار یہاں پر
ہوتے ہیں گلابوں کے بھی تیوہار یہاں پر
کشمیر کی دھرتی

گلمرگ و پہلگام کے دل کش نظارے
ڈل اور وُلر کے وہ چمکتے ہوئے دھارے
پانپور کے کھیتوں میں وہ بکھرا ہوا سونا
مہتاب میں وہ زعفراں زاروں کے تارے
کشمیر کی دھرتی تو

ہر سمت ہے سر سبز سے اشجار کی بہتات
پھولوں سے، پھلوں سے ہیں مزین سبھی باغات
ہر سمت ہیں بادام کے پھولوں کی بہاریں
اور بلبلِ شیدا کے دل افروز سے نغمات
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

جاڑے کا خنک چاند، چمکتا ہے اُفق پر
اس وقت سمیٹے ہیں سیہ رات کے گیسو
وہ برف پہ شفاف سی کرنوں کا اُجالا
مخمور سا کر دیتا ہے کہسار کا جادو
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

اِس دیس کے ہر ذرّے کی نقاش ہے فطرت
یہ وادیٔ گُل رنگ ہے سیاحوں کی جنت
ہے دستِ ہنر مند کی کاریگری ہر سو
ہر طرح کی قائم ہے یہاں صنعت و حرفت
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

لہراتے ہوئے دھان کے کھیتوں کے سمندر
ہو جاتی ہے مخمور ہوا بھی انہیں چھُو کر
خریف میں سونا سا اُگلتے ہیں وہ خوشے
کرنیں سی اُگا کرتی ہیں اِس وقت زمیں پر
کشمیر

[illegible]

کھلتا ہے نگاہوں پہ طلسمات کا جادہ
اور حسنِ نظر بڑھتا ہے واں اور بھی زیادہ
اُس وقت ستارے سے اُترتے ہیں زمیں پر
ہر شام پہنتی ہے شفق رنگ لبادہ
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

وہ سینہ بسینہ چلے آتے ہوئے قصے
وہ لوک روایات کی پھیلی ہوئی خوشبو
گیتوں میں جھلکتا ہے وہاں رنگِ ثقافت
اور ملکۂ کشمیر کے نغمات کا جادو
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے

اِس وادیٔ شاداب کا اِک حِصّہ ہے محکوم
عوام کے ہاتھوں میں ہے زنجیرِ غلامی
سرسبز سے اشجار سلگتے ہیں شب و روز
ہوگی کوئی ساعت تو سحابوں کی پیامی
آزادیٔ کشمیر کا ہر دل کو یقیں ہے
اور ملّتِ اسلام کی اب فتح مبیں ہے
کشمیر کی دھرتی تو بہاروں کی امیں ہے
ہر خطۂ دنیا سے کہیں بڑھ کے حسیں ہے

ملکۂ کشمیر = یوسف شاہ چک بادشاہ کشمیر کی محبوب ملکہ حبہ خاتون :
حبہ خاتون = کشمیری شاعری کو روایتی اور صوفیانہ شاعری سے ہٹ کر عام فہم اور عوامی عشقیہ اسلوب عطا کرنے والی شاعرہ۔

ہمیں کہ فاصلہ بنتے رہے گم انوں کا
حقیقتوں کا بھی لہجہ رہا فسانوں کا

ہوا گزیدہ سے موسم نہ مجھ کو راس آئے
کہ شوق دل میں ہی دبتا رہا اڑانوں کا

ہر ایک موجِ لہو میں ہے آگ سی روشن
دھواں نظر نہیں آتا مرے مکانوں کا

ہے ایک سوکھا ہوا پھول میرے بالوں میں
لہو اگلتے ہوئے خوف کے زمانوں کا

کہ کھو گیا ہے نہ جانے کہاں ہواؤں میں
وہ ایک خواب کا موسم مرے دھیانوں کا

وہ سامنے سے بھلا مجھ پہ وار کیا کرتا
شکار کرنے کا عادی تھا جو مچانوں کا

وہ تاج بنتا ہے دھرتی کے زرد ماتھے کا
ہر ایک خوشۂ گندم مرے کسانوں کا

یہ سوچ کر ہے کہ رونا بھی موم سی لڑکی
وہ زہر دیتا رہا تھا مجھے — بہانوں کا

اے عروسِ ملت کشمیر تجھ پر آفریں
ٹوٹنے کو ہے تیری زنجیر تجھ پر آفریں

تیرا ہر رشتہ تو ارضِ پاک سے مربوط ہے
ملتِ بیضا کی ہے تصویر، تجھ پر آفریں

اب یہ راتوں کے ڈھلنے کا زمانہ آگیا
آرہا ہے موسمِ تنویر، تجھ پر آفریں

میر کارے رت جگے ہیں صبح آزادی کے نام
کہہ رہا ہے نالۂ شب گیر تجھ پر آفریں

اب شہیدوں کے لہو کا بھی صلہ ملنے کو ہے
خون سے لکھی ہوئی تحریر، تجھ پر آفریں

ارضِ پاکستان کی تکمیل کا جو خواب ہے
تو کہ روشن خواب کی تعبیر، تجھ پر آفریں

○

○

ہرے بھرے گلشن سے میری شاخ بدن کو توڑ دیا
تیز ہواؤں ریزہ ریزہ ہونے کو پھر چھوڑ دیا

آج تلک ہاتھوں میں اس کے لمس کی حدت باقی ہے
جس نے میرے ہاتھ کو تھاما، چوما، اور پھر چھوڑ دیا

روشنیوں کے شیدائی سے میرا شکوہ اتنا ہے
تیرہ شب میں تنہا تنہا مجھ کو چلنا چھوڑ دیا

اس کی یاد تو جیسے جی ہی مرنے کے مترادف تھی
قطرہ قطرہ میری رگوں سے سارا خون نچوڑ دیا

اُس کے کارن من مندر میں قشقہ کھینچ کے بیٹھی ہوں
جس نے عہد وفا کو رونا آسانی سے توڑ دیا

پابندِ وفا

سنو اے محترم مجھ سے جواب اپنے سوالوں
کہ تم محور بدل ڈالو گے پھر اپنے خیالوں کا

تمہاری بے سکونی ہے مری خاطر عبث سن لو
ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا ابھی بھولو مجھے بھولو

تمہاری آرزو پوری یہاں پر ہو نہیں سکتی
کسی صورت پرائی چیز اپنی ہو نہیں سکتی

کہ تم سے پیشتر یہ دل کسی کا والۂ شیدا
خوشی سے ہو گئی ہوں میں اسیرِ وعدہ فردا

اسی کے نام سے وابستہ ہے صبح و مسا مری
اسی کے واسطے دل سے نکلتی ہے دعا میری

میرا دل، اور میری سوچیں، مری آنکھیں امانت ہیں
اسی میرے ستمگر کی مری سانسیں امانت ہیں

جو اس نے دے دیئے ہیں درد وہ محبوب ہیں مجھ کو
تمہاری کیسے ہو جاؤں تمہی انصاف سے سوچو

خدانخواستہ یہ سانحہ جو پیش آ جائے
تمہاری ہو کے بھی یہ دل تمہارا گر نہ بن پائے

دغا دوں اپنے دل کو یہ خیانت ہو نہیں سکتی
کہ مجھ سے مصلحت آگیں دیانت ہو نہیں سکتی

کہ تم سے میں وفاداری کے دعوے کر نہیں سکتی
کسی سے جو ہوئے منسوب وعدے کر نہیں سکتی

بجا ہے تم امارت اور وجاہت سے مزیّن ہو
اور آداب محبت کی حکایت سے مزیّن ہو

مگر میں کیا کروں پابند ہوں اپنے اصولوں کی
میں واپس کر رہی ہوں تم کو مالا سرخ پھولوں کی

تمہیں اپنا نہیں سکتی دوئی مجھ کو نہیں بھاتی
مرے جذبات سچے ہیں ادا کاری نہیں بھاتی

ضمیر فطرت دل سے بغاوت کر نہیں سکتی
میں دل کو تم سے آمادۂ اُلفت کر نہیں سکتی

رہین غیر ہو کے درد دل کیسے پھلے پھُولے
عزیز از جاں جو غم ہو کوئی وہ کسطرح بھُولے

خدا کے واسطے تم لوٹ جاؤ اپنی راہوں پہ
نہیں میں غور کر سکتی تمہاری التجاؤں پہ

میں مجرم ہو نہیں سکتی خیانت کی کسی صورت
کہ دل شکنی اگر ہوتی ہے ہو جائے بہر صورت

○

پسِ کہسار

اِتنا پُر ہول وہاں صبحِ بیاباں کا سکوت
دل تو چاہے کہ کوئی شورشِ زنجیر اُٹھے
اور کہیں پاس سلگتی ہوئی، خاموش چِتا
حالتِ درد کو کچھ اور بڑھا دیتی ہے
نغمۂ زیست کا کوئی بھی وہاں دخل نہیں
حسنِ وجدان تباہی کا تاثر لے کر
لوٹتا ہے تو کڑے درد کا عالم لے کر
بادِ مرصر کے خزاؤں کے رہینِ منت
بے ثمر شاخوں پہ پھولوں کی بہاریں کیسی
پوچھنا چاہا تو اِک بارشِ الزام ملی
میں نے تاریخ کے ابواب میں یہ بھی دیکھا
جب گراں خواب سے لوگوں کو ملی تھی منزل
جب تخیل کے طربِ زار میں وہ زخم نہ تھا
جو غلامی کے شکنجے کی نشانی ٹھہرا
دل کی دیوار پہ لکھا تھا شہیدوں کا پتہ
اب تو قسمت میں یہ سنسان خموشی ہی نہیں
پیشِ جاں تو وہاں محرومیٔ اظہار بھی ہے
اور اب اِذنِ تکلّم تو بہت دور کی بات

یہ چناروں کی اُلجھتی ہوئی شاخوں کا دھواں
لالہ و گل کا وطن، کتنا ہے ویراں ویراں
رقصِ شاداب اندھیرے کا ابھی جاری ہے
آخرِ شب کا یہ حصّہ تو بہت بھاری ہے
لوحِ احساس پہ یہ وار بہت کاری ہے
ادھ کِھلے ہونٹ ہیں صدیوں کی تھکن سے آزاد
اِک دعا اب بھی مچلتی ہے فضاؤں کے پرے
مِرے دُکھی سے بدن کو وہ رگِ جاں سے ملے
نشترِ شب نے جسے زخم دیئے ہیں کتنے
ہم کہ گُم گشتۂ جنت کے پجاری ٹھہرے
اور اِک عمر سرِ دشتِ طلب ہی بھٹکے
قصرِ حالات کو تعمیر کی حاجت ہی رہی
جادۂ فکر پہ چلنے کی ضرورت ہی رہی
راحتِ درد کی آسودگیاں مل نہ سکیں
گیت عرفان کے کہساروں پہ گانے والے
عزمِ تحقیق کی شمعوں کو جلا بھی نہ سکے
اب تو وہ وقت کہ دشمن کو سلا کر اپنے
شبِ بیدار ہیں نیند جھٹک کر اپنی
تاکہ یہ برف کا خوفناک اندھیرا پگھلے
اور چناروں سے پرے چاند کا چہرہ اُبھرے

ہائیکو

میری آنکھوں میں رُت ہے ساون کی
گیت برسات میں جو گائے تھے
آج شدّت سے یاد آئے ہیں

*

تم تو آزاد ہو تفکّر سے
دُور کشمیر کے پہاڑوں پر
ایک لڑکی اداس ہے کتنی

*

تیرے ماتھے کی صبح صادق میں
گیسوؤں کی وہ دلربا لرزش
بادلوں کا خرام ہو جیسے

*

زندگی کیسے موڑ پر آئی
آج موسم اُداس ہے کتنا
اور پھر سنگدل سی تنہائی

*

سرد پلکوں سے گر گئی شبنم
آج دن کے غروب ہوتے ہی
دل کی دھڑکن بھی ہو گئی مدھم

غزل

ابھی میں منکشف خود پہ نہیں ہوں
زمیں پہ رہ کے بھی زیرِ زمیں ہوں

مرا آغاز ہے کوئی نہ انجام
میں خوابوں کے جہانوں کی مکیں ہوں

مرے پاؤں ہیں جنّت کی ضمانت
مگر میں سربسجدہ سی زمیں ہوں

مری قسمت تو اس کا فیصلہ ہے
مَیں اس کی جنبشِ لب کی نہیں ہوں

بڑی شدّت سے وہ یاد آ رہا ہے
بڑی دُوری میں بھی اس سے قریں ہوں

تری تصویر پہ جب میرے لب تھے
مَیں اُس دلدار ساعت کی امیں ہوں

۔۔۔ کا خط پا کر

غموں کی رُت کے ویراں ساحلوں پر
فسردہ شام کی تنہائیوں میں !
مرے خوابوں کے جنگل بھیگتے تھے
کہُر کی ریشمی چادر تنی تھی
اور بارش ایک دوشیزہ کی صورت
بڑے مدہم سروں میں گا رہی تھی
کہیں سے سبزۂ لوزس کی خوشبو
پھواروں میں مچلتی جا رہی تھی
مگر پھر سے ہوا نے رنگ بدلا
وہ منظر آنکھ سے اوجھل ہوا تو
مری ہستی کی سنساں سی گلی میں
مدھر سی روشنی پھیلی ہوئی تھی
گھنیرے جنگلوں کی سبز شاخیں
فضا میں رنگ سا برسا رہی تھیں
گلابوں کی چھلکتی خوشبوؤں میں
بہت دلدار سے لمحے ہوئے تھے

نشے کی ایک ہلکی کیفیت تھی
تھی دل پہ اک عجب بے اختیاری
مری پلکیں لرزتی جا رہی تھیں
بہت آہستگی سے چاند میرا
نقابیں کُہر کی سرکا چکا تھا
رگِ جاں میں لہو بن کر رواں تھا
بجز اس کے ہر اک منظر دھواں تھا

○

ہے درد عطا اُس کی، اعجازِ ہنر میرا
مہتاب سے روشن تر ہے داغِ جگر میرا
منزل پہ جونہی پہنچا، اِک درد اٹھا دل میں
پھر یاد مجھے آیا، آغازِ سفر میرا

○

میرے زخموں پہ ترے پیار کا پھاہا ہوتا
مری ہستی کو سمجھ کر مجھے چاہا ہوتا
مجھ کو توصیفِ زمانہ کی ضرورت کیا تھی
تو نے تنقید کے پردے میں سراہا ہوتا

"سواگت"

اپنی شفاف سوچیں لیے ایک دن
ایک بچے کی مانند چلی آئی میں
چشمِ پُرنم نے دیکھا عجب ماجرا
شہر سارے کا سارا ہوا برد تھا
ٹہنیاں، پھول، سارے شجر جانِ جاں
سب ہواؤں کے محکوم و معتوب تھے
کونپلیں پھوٹتیں ایسے موسم میں کیا
جتنے زرخیز گلشن تھے بنجر ہوئے
چُپ کے آسیب نے لوگ سب ڈس لیے
بستیاں اس طرح بے صدا ہو گئیں
کھو گئیں مدتوں کی شناسائیاں
پیارے رشتوں کے سارے تراشے صنم
اور مبہم سے جذبوں کے مدھم دیئے
کھو گئے، مٹ گئے، جل گئے، بجھ گئے
ایک معصوم سا سچ ابھی ہے بچا
پر ہے زخمی بہت سنگدل تھی ہوا
میں اکیلی تری گود میں سر دیے
رو پڑی اس طرح جیسے روئی نہ تھی

آگے عرض و طلب کا وہی دیو تھا
جس نے شہروں سے سب رونقیں چھین لیں
اور گاؤں کو بے ہوشیاں بخش دیں
جس نے جسموں سے ہریالیاں چھین لیں
اور ذہنوں کے غنچے نہ کِھلنے دیے
میں نے دیکھا ہی کیا
میں تو کل آئی تھی یہ نگر دیکھنے
سوچتی ہوں یہ کیسا سواگت ہوا
شہر سارا کا سارا ہوا بُرد تھا

○

کہکشاں کے طویل رستے پر
عکس خوابوں کے جھلملاتے ہیں
چاند کو غور سے میں جب دیکھوں
آپ شدت سے یاد آتے ہیں

بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
نہ جانے کون سی لڑکی وہ ہو گی
تو جس کے ہاتھ ریکھا میں لکھا ہے
ترے لفظوں کی سندر جگمگاہٹ
نہ جانے کس کے آنگن کا دیا ہے

بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
مجھے تو یاد رکھے گا کہاں تک؟
خطوں کے سلسلے کب تک رہیں گے
یہ دنیا سُکھ کا کتنا وقت دے گی
نہ جانے ساتھ ہم کب تک چلیں گے

بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
سراپا شعر ہے تیرا تشخص
حروفِ دلنشیں کب تک لکھوں میں
یہ راہیں مختصر ہوتی نہیں ہیں
اجازت ہو تجھے منزل کہوں میں

بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
نہ جانے میں تجھے پا بھی سکوں گی
مرے آگے تو صحرائے زیاں ہے
نہ جانے کون سی منزل ہے تیری
نہ جانے مستقر تیرا کہاں ہے

بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
ترے ہونٹوں کی مدھم مسکراہٹ
بدل دوں شوخ سی چنچل ہنسی میں
سبھی خوشیاں میں تیرے نام کر دوں
نہ جانے دوں ترا دامن تہی میں
بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
تجھے آنکھوں میں اپنی بند کر لوں
تجھے جانے نہ دوں اور روک لوں میں
مگر پھر جان لیوا سے حقائق
یہ کہتے ہیں کہ تھوڑا سوچ لوں میں
بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں
مجھے احساس ہے اس بات کا بھی
میں حرزِ جاں جدائی سہہ تو لوں گی
زمانوں کا تفاوت کب ہٹے گا
میں اک حرفِ تمنا کہہ تو لوں گی
بسا اوقات میں یہ سوچتی ہوں۔

○

قطعات

پاکے ان کو جان کر کھوتی رہی
گرچہ دل کو اِک خلش ہوتی رہی
میں وفا کی سربریدہ لاش پر
بال کھولے رات بھر روتی رہی

○

میری آنکھوں میں کیا ساون نہیں ہے
بتا سونا مرا آنگن نہیں ہے
چلو اک وعدۂ فردا تو کر لو
نبھانے کی کوئی قدغن نہیں ہے
مجھے کانٹے بھی اوروں سے ملے ہیں
مرا اپنا کوئی گلشن نہیں ہے

○

مرا جرم تھا محبت دی ہجر کی سزا کیوں
شبِ انتظار میری آنکھوں میں دی سجا کیوں
تیرے غبارِ راہ کا کاجل تو تھا گوارا —
میرے لہو کا غازہ مرے واسطے بنا کیوں

آنکھوں میں اشک غم اور چہرہ سوال ہے
میری طرح سے تو بھی غموں سے نڈھال ہے
تو ڈھونڈتی ہے دور خلاؤں میں کس کا عکس؟
شام الم بتا تجھے کس کا ملال ہے!

ستاروں کا سفر تنہا کروں گی
اکیلے میں تمہیں سوچا کروں گی
تم آؤ گے تو نظریں پھیر لوں گی
تمہیں جاتے ہوئے دیکھا کروں گی

وقارِ زیست کی اُجلی کرن پہ مرتے ہیں
ہزار جاں سے جو ارض وطن پہ مرتے ہیں
انہی کی راہ میں کھلتے ہیں آنسوؤں کے گلاب
نکھارتے ہیں چمن کو چمن پہ مرتے ہیں

بڑی رنگین سی کچھ ساعتیں تھیں
خیال و خواب سی کچھ الفتیں تھیں
ترے خط کو جلا کے رو دیے ہم
یہ سچ ہے تیرے غم سے نسبتیں تھیں

○

چاہتوں کے عذاب میں رہتے
حلقۂ ماہتاب میں رہتے
عافیت کی تو یہ بھی صورت تھی!
میری چشم پُر آب میں رہتے

○

زیست زخموں میں ڈھل رہی ہے آج
برف جیسے پگھل رہی ہے آج
جان کہہ کر پکارنے والے
جان میری نکل رہی ہے آج

شہرِ غم کی فصیل بے پروا
گھٹ کے سینے میں رہ گئی ہے صدا
ہمسفر ہے خیال منزل کا !
دھوپ ہے تیز رہگزر تنہا

○

دل کی دیوار پر غم کی حدت بڑھی
دھوپ کی زد پہ آئی جوان کی گلی
زندگی کے تقاضے نہ پورے ہوئے
زندگی حسرتوں کی چِتا میں جلی

○

بے بسی کے اداس مندر میں
عظمتوں کے چراغ روشن ہیں
آپ کو روشنی مبارک ہو
میرے سینے میں داغ روشن ہیں

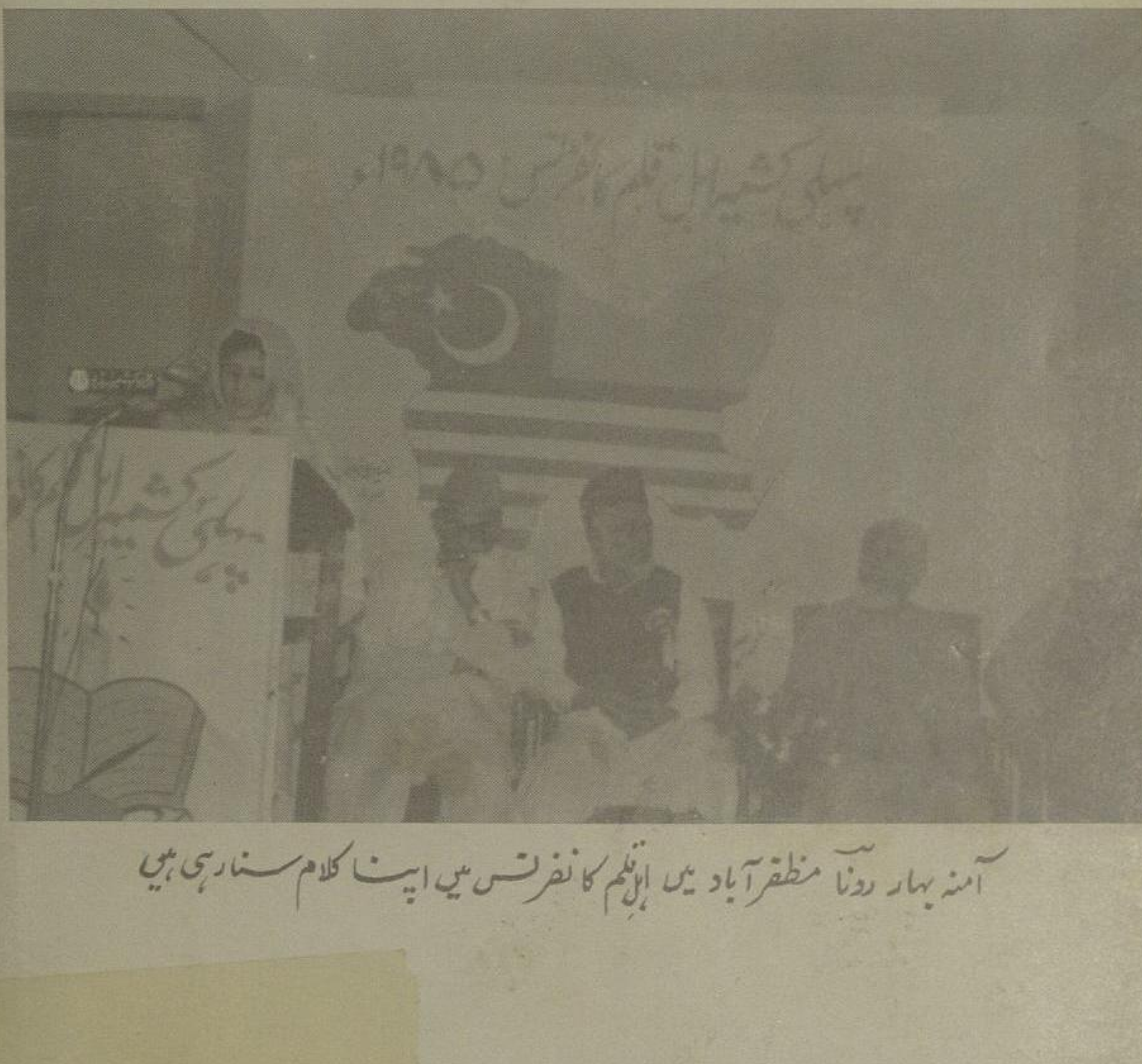
ہمارے حصّے میں وہ ساعتِ سعید نہ تھی
سلگتے خواب مقدّر تھے اس کی دید نہ تھی
میں شہرِ غم کی فصیلوں پہ منتظر ہی رہی
صبا کے پاس بھی اس کی کوئی نوید نہ تھی

○

کیا یہ معیارِ صداقت کا تقاضا ٹھہرا
دُھوپ کے شہر کو برفاب جزیرہ لکھو
صوفیٔ شہر کا پیغام ملا ہے مجھ کو
مری خاطر کوئی اچھا سا قصیدہ لکھو

○

جواب دے مرے بھولے ہوئے سوالوں کا
حساب لے مرے گزرے ہوئے زمانے کا
ہوائیں لکھتی رہیں گی نئی نئی باتیں
ہر ایک ورق ہے بکھرا مرے فسانے کا



آمنہ بہار رونا مظفرآباد میں اہلِ قلم کانفرنس میں اپنا کلام سنا رہی ہیں